حکایات
رُومی

اضافہ و ترمیم شدہ ایڈیشن

مصنف و مرتب

آغا اشرف

جہانگیر بک ڈپو۔ اُردو بازار۔ لاہور

دیباچہ

علمی اور اخلاقی مضامین کی تعلیم کے لیے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ مگر کسی کو مولانا رومؒ کی مثنوی جیسی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ مولانا روم علیہ الرحمتہ حکیم الامت تھے۔ اور قرآن مجید کا طرز بیان ان کے دل میں گھر کر چکا تھا۔ اس لیے آپ نے عام لوگوں کو الہیات — صفات باری — نبوت — وحی — ملائکہ — معجزہ — روح — معاد — جبر و قدر — تصوف — توحید — وحدۃ الوجود — طریقت و سلوک اور عبادات وغیرہ جیسے مشکل مضامین سمجھانے کے لیے قصے اور حکائتیں قلم بند کیں۔ کیونکہ انسان فطرتاً قصے کہانیاں شوق سے سنتا ہے۔ اس لیے مولانا علیہ الرحمتہ کا اسلوب سب کو بھایا اور ان کی مثنوی کی حکایات بے حد مقبول ہوئیں۔ دنیا کی کسی کتاب میں ایسی نصیحت آموز حکائتیں اور بصیرت افروز قصے نہیں ملتے جو مثنوی مولانا رومؒ میں پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے اس کی طرف علماء و فضلاء نے توجہ کی اور پھر اس کا چرچا عوام میں کستوری کی خوشبو کی طرح پھیل گیا۔ میں سمجھتا کہ ہوں مثنوی کو قصوں کہانیوں کی کتاب نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ان قصوں کہانیوں سے جو سبق حاصل ہوتا ہے اس پر غور اور عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہیں مضامین اس قدر اس کے بلند
عقل کی پرواز بھی ہے جن میں بند
اچھے اچھے اہل علم اہل شعور
دوڑتے ہیں پھر بھی رہ جاتے ہیں دور

فواز نیاز

حالات زندگی

شجرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رومؒ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ اور یوں مولانا رومؒ سات پشت کے واسطہ سے حضرت ابوبکرؓ سے جا ملتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی "سوانح عمری مولوی رومی" میں لکھتے ہیں کہ مولانا روم کے دادا حسین بڑے عالم فاضل اور بڑے صاحب حال صوفی تھے۔ سلطان محمد خوارزم شاہ ان کی اتنی قدر کرتا تھا کہ اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دی۔ جن کے بطن سے مولانا روم کے والد بہاؤ الدین محمد 672ھ میں پیدا ہوئے۔ جو بڑے ہو کر بڑے بلند پایہ عالم ہوئے۔ مولانا ان کے ہاں 804ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے۔

اس وقت ایشیائے کوچک کو سلطنت روم کہتے تھے۔ وہاں سلجوقی خاندان کی حکومت تھی۔ کچھ عرصہ بعد مولانا رومؒ کے والد ماجد اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیشا پور آگئے۔ مولانا کی عمر اس وقت چھ سال تھی ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ اس عمر میں ہی ذہانت و فطانت آپکے چہرے سے ظاہر تھی۔ ایک دن شیخ فرید الدین عطار مولانا کے والد سے ملے تو آپ کے چہرے سے سعادت کے نشان دیکھ کر شیخ بہاوالدین کو تاکید کی کہ وہ اس ہونہار فرزند کی تربیت سے غافل نہ ہوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو اپنے فاضل مرید سید بہاؤالدین محقق کی آغوش تربیت میں دے دیا۔

نیشا پور سے بغداد پہنچے۔ وہاں کئی برس قیام کیا۔ وہاں سے حجاز پھر شام پھر زنجان میں وارد ہوئے۔ اور وہاں سے کئی شہروں کی سیر کرتے ہوئے قونیہ میں مقیم ہوئے جہاں سلجوقی خاندان کے سلطان علاؤالدین کیقباد کی حکومت تھی۔ اس وقت مولانا کی عمر 18 سال تھی۔ شادی ہو چکی تھی 648ء میں مولانا کے والد بزرگوار رحلت فرما گئے۔ آپ علم کی تکمیل کے لیے حلب چلے گئے۔ جہاں سات برس رہے۔ اس

عرصہ میں آپ تمام علوم درسیہ میں بہت بڑے فاضل بن گئے۔ جب کوئی مشکل علمی گتھی نہ سلجھا سکتا تو لوگ آپ سے رجوع کرتے۔

جب تک مولاناؒ موصوف کی حضرت شمس تبریزؒ سے ملاقات نہ ہوئی آپ پر ظاہری علوم کا رنگ غالب رہا۔ دینی علموم کا درس دیتے، واعظ کرتے، فتوے لکھتے، سماع وغیرہ سے سخت پرہیز تھا۔

شاہ شمس تبریزؒ بڑے صاحب باطن بزرگ تھے۔ سیاحت کرتے ہوئے جہاں جاتے سرائے میں اتر کر حجرے کا دروازہ بند کر لیتے اور مراقبے میں مصروف ہو جاتے ازار بند بنا کر اور بیچ کر گزر اوقات کرتے۔

ایک دفعہ شاہ شمس تبریزؒ نے مناجات کے وقت دعا مانگی کہ یا اللہ اپنا کوئی خاص بندہ ملا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکے۔ عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ روم جاؤ۔ اسی وقت چل دیئے اور قونیہ پہنچ کر مولانا رومیؒ سے ملاقات کی اور دونوں بزرگ چھ ماہ تک برابر صلاح لادین زر کوبؒ کے حجرہ میں چلہ کش رہے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ نہ کسی سے ملاقات کی۔

مولانا رومیؒ کے اس طرح گوشہ نشین ہو جانے سے لوگ بڑے ملول ہوئے اور سب شمس تبریزؒ کے دشمن بن گئے کہ انہوں نے جادو کر کے آپ کو گوشہ نشین کر دیا ہے۔ شاہ شمس تبریزؒ چپکے سے قونہ سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر کبھی نظر نہ آئے۔

حضرت مولانا روم نے 5 جمادی الثانی 672ھ کو 68 سال کی عمر میں شام کے وقت انتقال فرمایا۔ رات بھر تجہیز و تکفین کی تیاری ہوتی رہی۔ صبح کو جنازہ اٹھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگ آپ کے جنازہ میں شریک تھے آپ کا مزار قونیہ میں ہے۔

حکایات مثنوی

حضرت نوحؑ اور ان کا بیٹا

جب حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بھی سرکشوں پر کچھ اثر نہ ہوا تو آپ نے کافروں کی ہلاکت کے لیے اللہ سے بد دعا کی۔

حکم ہوا کہ ایک کشتی بناؤ۔ اور اس میں مومنوں کو سوار ہونے کا حکم دو۔ جو تمہاری کشتی میں پناہ نہ لے گا ہلاک ہو جائے گا۔

حضرت نوحؑ نے کشتی تیار کی۔ آپ کا بیٹا کنعان بھی سرکشوں کے ساتھ تھا۔ خدا کے حکم سے پانی کا طوفان آیا تو دنیا ڈوبنے لگی۔ بیٹے کو ڈوبتے دیکھا تو حضرت نوحؑ کی محبت پدری نے جوش مارا۔ آپ نے فرمایا۔

"بیٹا آ میری کشتی میں سوار ہو جا تاکہ تو غرق نہ ہونے پائے"۔

بیٹے نے جواب دیا۔ "مجھے کشتی کی پروا نہیں۔ میں بہت بڑا تیراک ہوں۔ میں نہیں ڈوب سکتا۔"

حضرت نوحؑ نے فرمایا۔

"بیٹا! اس طوفان بلا کی خطرناک موجوں میں کسی تیراک کی تیراکی کام نہ آئے گی"۔

بیٹے نے جواب دیا۔

"مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ تیراکی کام نہ آئی تو میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔"

حضرت نوحؑ نے فرمایا۔

"بیٹا! یہ ناز کا موقع نہیں۔ آج وہی بچے گا جو خدا کا سرکش نہ ہو گا۔ بیٹے نے کہا۔ "خاموش رہو۔ میں نے آج تک تیری بات مانی ہے نہ اب مانوں گا۔ مجھے تیری

باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ میں دونوں جہان میں تجھ سے بیزار ہوں"۔

حضرت نوحؑ نے فرمایا۔ بیٹا وقت بڑا نازک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہو رہا ہے۔ اسے میرے نافرمان بیٹے کا کچھ لحاظ نہ ہو گا۔ اس کو بندگی پسند ہے پیغمبر زادگی درکار نہیں"۔

بیٹے نے جواب دیا۔ "تو ایسی نصیحتیں کرتا کرتا بوڑھا ہو گیا ہے مگر کوئی قائل نہیں ہوا ہر ایک سے تو نے جواب سرد ہی سنا ہے میں نے بھی جان لیا کہ تیری باتیں ایسی نہیں کہ ان پر عمل کیا جائے"۔

حضرت نوحؑ کے کہنے کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بیٹے نے باپ کی نصیحت نہ مانی۔ بڑی حقارت سے حضرت نوحؑ کی بات رد کرتا رہا۔ اچانک ایک بڑی تند و تیز لہر آئی اور کنعان کو بہا کر لے گئی۔

حضرت نوحؑ نے عرض کیا۔ یا اللہ! یہ کیا کیا۔ تیرا وعدہ تھا کہ تیرے اہل و عیال کو بچا لوں گا۔ آہ نہ میرا بیٹا بچا نہ اسباب"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے نوح! وہ لڑکا تیرا نافرمان تھا۔ اسے اپنی اہل میں سے نہ سمجھ۔ دیکھو جو دانت کرم خوردہ ہو جائے اسے اپنا دانت نہ کہنا چاہیے۔ اسے تو فوراً اکھاڑ پھینکنا چاہیے۔ تاکہ باقی جسم تکلیف سے بچا رہے"۔

حضرت نوحؑ نے عرض کیا۔ "میں اس بیٹے سے بیزار ہوا۔ تیرے حکم کا بندہ ہوں۔ اگر تو مجھے بھی غرق کر دے تو مجھے کوئی شکایت نہیں"۔

عاشق صنع توام در شکر و صبر
عاشق مصنوع کے باشم چو گبر
عاشق صنع خدا باخبر بود
عاشق مصنوع او کافر بود

حضرت جبریلؑ اور خلیل اللہؑ

حضرت جبریل علیہ السلام ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور اللہ تعالٰی کی وحی پہنچا کر اپنی طرف سے عرض کیا۔

"اے خلیل اللہ ! اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیں تا کہ میں بجا لاؤں۔ اگر کوئی حاجت ہو تو بتائیں تا کہ اسے پورا کروں"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔

"اے جبریل ! بتا کہ بندے کی وہ کونسی حاجت ہے جس کا اللہ تعالٰی کو علم نہیں۔ جب وہ میری تمام ضرورتوں کو جانتا ہے تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ اپنی حاجات تجھ سے بیان کروں"۔

جو ماسوا اللہ سے علاقہ توڑ کر صرف اللہ کا ہو جاتا ہے اس کو کسی کی پروا نہیں رہتی۔

حکایت نمرود

ایک دفعہ اللہ تعالٰی نے عزرائیلؑ سے پوچھا۔

"تجھے کبھی کسی کی جان قبض کرتے ہوئے رحم بھی آیا"۔

عزرائیلؑ نے عرض کیا۔ "دل تو بارہا کڑھا ہے مگر مالک کے حکم کے سامنے غلام کو کچھ کہنے کی کیا مجال۔ ہاں ایک واقعہ کی یاد ابھی تک سانپ بن کر دل پر لوٹ رہی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک جہاز سمندر میں سبک روی سے اس طرح جا رہا تھا جس طرح دریا میں مرغابی تو نے فرمایا کہ جہاز کو بھنور میں پھنسا دو۔ اس کا کیل کانٹا

الگ کردو۔ میں نے جہاز تباہ کر دیا۔ جہاز میں سوار لوگ غرق ہو گئے صرف دو دم سلامت بچے۔ ایک ماں تھی اور دوسرا اس کا نو زائیدہ بچہ۔ جو تباہ شدہ جہاز کے ایک تختے پر بہے جا رہے تھے۔ بچہ ماں کی چھاتی سے لپٹا ہوا دودھ پی رہا تھا۔ تختہ کنارے جا لگا۔ میں خوش ہوا کہ بچے اور اس کی ماں کی جان بچی۔ مگر مجھے حکم ہوا کہ بچے کی ماں کی جان قبض کرلو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ بچے کی ماں کی جان نکال لی۔ مگر یتیم لا وارث بچے کی کسمپرسی اب بھی جب کبھی خیال آتا ہے دل کانپ جاتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "درحقیقت داستان تو ضرور پرالم ہے مگر تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ پھر وہ بچہ کس حال میں رہا؟"

عزرائیلؑ نے عرض کیا۔

"اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ ظاہراور باطن اس پر عیاں ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"ہم نے موج کو حکم دیا کہ لاوارث بچے کو اٹھا کر ساحل پر ڈال دے۔ جہاں ہر طرف ہریالی تھی۔ ہم نے پھولوں کو حکم دیا بچے کے نیچے سیج بچھا دیں۔ سورج سے کہا کہ وہ چمکے مگر اس کی گرمی سے بچے کو نقصان نہ پہنچے۔ ہوا کو تاکید کر دی۔ وہ بہت ہلکی ہلکی چل کر بچے کے جسم پر لگے بادل کو ہمارا فرمان تھا وہ بچے سے ذرا فاصلے پر برسے تاکہ بھیگنے سے بچے کو تکلیف نہ ہو۔ درختوں کی شاخیں خود بخود جھک کر پھل اس کے منہ میں ڈال دیتی تھیں۔ وہاں ایک شیرنی تازہ بیائی تھی۔ ہم نے اس کے دل میں رحم ڈال دیا۔ وہ ہر روز آتی اور اسے کئی بار دودھ پلاتی۔ شیرنی کے خوف سے کوئی جانور بچے کے پاس نہ آسکتا تھا۔ بچہ اس طرح پل رہا تھا جب ایک بادشاہ ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا ادھر آنکلا بچے کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اسے اٹھا کر اپنی بیگم کے پاس لے گیا۔ ان کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا۔ انہوں نے اسے اپنا بیٹا بنا کر پالا۔ آخر وہ تاج اور تخت کا مالک بن گیا۔ غرور اور تکبر سے ہمارے بندوں پر ظلم کرنے لگا۔ ایسا سرکش نکلا کہ خود خدا بن بیٹھا۔ اپنے بت بنوا کر انہیں سجدے کرانے لگا۔ اس نے ایک بڑے میدان

میں اپنی رعایا کو جمع کیا اور حکم دیا کہ اس کو سجدہ کریں۔ اور حکم دیا کہ اسے سجدہ نہ کرنے والوں کو آگ میں جلا دیں۔ عام لوگ تو ایک طرف رہے اس نے ہمارے خلیل ابراہیمؑ کو بھی آگ میں جھونک دیا۔ مگر ہم نے آگ کو گلزار بنا دیا۔

اے عزرائیلؑ اب بتا کہ جس پر تجھے رحم آیا ہم نے اس کے ساتھ کونسا برا سلوک کیا کہ خاک کا فانی پتلا ہمارا شریک بن بیٹھا؟"

عزرائیلؑ نے جواب دیا۔ "اے مخلوقات کے خالق تیرے بھید تو ہی جانے تجھ سے بڑھ کر بندوں پر اور کون مہربان ہو سکتا ہے۔ میں نے واقعی خطا کی اس سرکش بچے کی حالت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے دل میں خیال اور ملال لاتا رہا"۔

انسان اگر کوئی کمال حاصل کر لے تو اسے چاہیے کہ غرور اور تکبر نہ کرے کیونکہ اس کی کچھ ہستی نہیں۔ خدائی خدا ہی کو زیبا ہے۔ انسان خدا نہیں ہو سکتا۔

موت سے بھاگنے والا موت کے منہ میں

حضرت سلیمانؑ کے پاس ایک آدمی ہانپتا کانپتا آیا۔ خوف سے اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اور ہونٹ نیلے۔

حضرت سلیمانؑ نے اس سے پوچھا۔

"یہ تیرے منہ پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔ تجھے کس نے اس قدر خوف زدہ کر دیا ہے"۔

اس نے عرض کیا — "یا حضرت! مجھے آج ملک الموت نظر آیا ہے۔ اس کی بھیانک شکل دیکھ کر میں اس قدر خائف ہوا کہ رنگ فق ہو گیا۔ خدا نے ہواؤں اور جنوں کو آپؑ کے تابع فرمان کیا ہے۔ مجھ پر کرم کریں۔ یہاں سے دور مجھے ہندوستان پہنچا دیں۔ تاکہ میری جان میں جان آئے دل سے عزرائیلؑ کا ڈر دور ہو۔

حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دیا۔ اور وہ شخص اسی وقت ہندوستان پہنچ گیا۔

دوسری صبح جب سلیمانؑ کا دربار لگا تو حضرت عزرائیلؑ بھی حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ نے اس خوف زدہ شخص کا حال پوچھا۔ ملک الموت نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کا ہندوستان میں کل ہی مرنا مقدر تھا۔ میں نے جب اس کو یہاں نہ پایا تو اسے وہاں جا لیا۔ اس نے موت سے بچنے کی تدبیر کی لیکن موت تو ہر جگہ اپنے وقت پر آکر ہی رہے گی۔ میں نے اس کی وہیں جان قبض کر لی۔ جہاں مشیت ایزدی میں اس کو مرنا تھا۔

انسان موت سے بچنے کی تدبیر کرتے ہوئے موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی ولادت فرعون کی ہلاکت

فرعون نے ہزاروں نجومی اور جادوگر ملازم رکھے ہوئے تھے جو جادو سے فرعون کو ہر آنے والے خطرے سے آگاہ کرتے تھے۔ ایک رات فرعون نے بڑا ڈراؤنا خواب دیکھا۔ نجومیوں سے اس کی تعبیر پوچھی انہوں نے بتایا ایک شخص پیدا ہو گا۔ جو تجھے ہلاک کرے گا۔

فرعون نے پوچھا۔ "کہاں پیدا ہو گا"؟

نجومیوں نے جواب دیا۔ "تیرے اسی شہر میں"۔

فرعون نے پوچھا۔ "اس خطرے کو ختم کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے"؟

نجومیوں نے جواب دیا۔ "اپنی حکومت میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو ختم کرا دو"۔

فرعون نے ایسا ہی کیا۔ اور جاسوس عورتیں مقرر کیں کہ گھر گھر جا کر دیکھیں کہ کوئی بچہ زندہ تو نہیں رہ گیا۔ انہوں نے پتہ لگا کر فرعون کو خبر دی کہ وہاں ایک گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس نے فوراً سپاہی بھیجے کہ اس گھر کی تلاشی لو اور لڑکے کو میرے سامنے لا کر قتل کر دو۔ حضرت موسیٰؑ کی ماں نے بچے کی جان بچانے کے لیے اسے ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ صندوق بہتے بہتے فرعون کے محل کے

قریب کنارے جا لگا جہاں فرعون کی بیوی اس وقت اپنی کنیزوں کے ساتھ دریا کی سیر کر رہی تھی۔ اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ صندوق کو دریا سے نکال لائیں۔ کھول کر دیکھا تو اس میں بچہ پایا۔ فرعون کی بیوی بے اولاد تھی بچے کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ اور حضرت موسیٰؑ کی ماں کو بلا کر اسے دودھ پلانے والی دایہ مقرر کیا۔ فرعون نے اپنے قاتل کو خود ہی اپنے گھر میں پالا۔ جوان ہوئے تو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ فرعون کو سمجھائیں وہ خدائی کا دعوٰی نہ کرے۔ آپؑ فرعون کے پاس آئے۔ اسے تبلیغ کی۔ وہ جھلایا۔ مقابلہ کے لئے جادوگر بلائے۔ جنہوں نے جادو سے سانپ بنا کر چھوڑے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا جو اژدھا بن کر مصنوعی سانپوں کو چٹ کر گیا۔ مگر فرعون پر اس معجزہ کا کچھ اثر نہ ہوا۔ خدائی کے دعوٰی سے باز نہ آیا۔ حضرت موسیٰؑ اس کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے اسرائیلوں کو مصر سے لے کر نکلے۔ فرعون لشکر لے کر ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر دریائے نیل پر پہنچے تو ان کو حکم ہوا اپنا عصا دریا پر مارو۔ دریا پھٹ کر ادھر ادھر ہو گیا۔ خشک راستہ نکل آیا۔ جس سے حضرت موسیٰؑ دریا پار اتر گئے۔ فرعون نے بھی اپنے لشکر کو اسی راستے پر ڈال دیا تو دریا پھر آملا۔ اور فرعون اپنے ساتھیوں سمیت غرق ہو گیا۔ فرعون اور فرعونی سب غرق ہو گئے۔ دریائے نیل کا بپھرا ہوا پانی اسرائیلیوں کے لئے نعمت اور فرعونیوں کے لے قہر بن گیا۔

حضرت موسیٰؑ اور بکری

حضرت موسیٰؑ بکریاں پال کر اپنی روزی کماتے تھے۔ ایک دن ایک بکری ریوڑ سے پیچھے رہ گئی۔ اور رات بھر جنگل میں بھٹکتی پھری۔ حضرت موسیٰؑ کو خیال آیا کہ اگر وہ رات کو باہر رہی تو اسے کوئی بھیڑیا چیر پھاڑ ڈالے گا۔

حضرت موسیٰؑ بکری کی تلاش میں نکلے۔ ساری رات ڈھونڈتے رہے۔ پاؤں میں

آبلے پڑ گئے۔ تھکان سے سارا بدن دکھنے لگا۔ صبح ایک جگہ بکری ملی جو تھک کر بیٹھی ہوئی تھی۔ کوئی اور چرواہا ہوتا تو بکری کو مار مار کر ادھ موا کر دیتا کہ کمبخت تو نے مجھے بڑا پریشان کیا۔ مگر حضرت موسیٰؑ بالکل ناراض نہ ہوئے۔ بکری کو پیار کرنے لگے۔ اپنے ہاتھوں سے اس کے منہ سے رال صاف کی۔ بال جھاڑے۔ فرمانے لگے۔

"اے بکری! بتا مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ میرے گلے سے جدا ہو گئی۔ میں نے مان لیا کہ تجھے میری پروا نہ تھی مگر تو نے اپنی تکلیف کو بھی نہ دیکھا"۔ بکری کی ٹانگیں سردی سے اکڑی ہوئی تھیں۔ چل پھر نہ سکتی تھی۔ آپ نے اسے بڑے پیار سے گود میں اٹھا لیا۔ جیسے ماں اپنے بچے کو۔

خدا کو اپنی ایک بے زبان مخلوق سے حضرت موسیٰؑ کی یہ ہمدردی بڑی پسند آئی۔ اس نے فرشتوں سے کہا کہ دیکھو موسیٰؑ کا حوصلہ۔

شایان اس کو قوم کی ہے سروری
یہ ہے بیشک لائق پیغمبری

شیر کی زندگی انسان کی موت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک روز جنگل میں جا رہے تھے۔ ساتھ ایک شخص تھا۔ عرض کرنے لگا۔

"حضرت! مجھے بھی مردوں کو زندہ کرنے کا ڈھب بتا دیں"۔

آپؑ نے فرمایا۔ "معجزے عطا کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ جس کو وہ اہل سمجھتا ہے عطا کرتا ہے۔ ہر شخص عصا پھینک کر اژدھا نہیں بنا سکتا۔ اور نہ پھر اژدھا کو عصا بنا سکتا ہے۔

یہ سن کر وہ شخص بولا۔ "یا روح اللہ! اگر میری یہ عرض قابل پذیرائی نہیں تو میرے سامنے مردہ زندہ کر کے دکھا دیجئے۔ یہ ہڈیاں پڑی ہیں۔ قم باذن اللہ کہہ کر

پھونک دیجئے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

"یا اللہ تعالیٰ ! یہ شخص بڑا ضدی ہے۔ اپنا نفع نقصان نہیں سوچتا تیرا حکم ہو تو اسے معجزہ دکھادوں"۔

حکم ہوا جب یہ اپنی ہلاکت خود خرید تا ہے تو تم بری الذمہ ہو"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قم باذن اللہ کہہ کر پھونک ماری تو ایک بڑا غضب ناک سیاہ شیر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے جست لگا کر اس شخص کے سر پر ایسا سخت پنجہ مارا کہ اس کا بھیجا باہر جا پڑا۔ اور وہ شخص تڑپ کر وہیں مر گیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے شیر سے کہا۔

"تو نے اٹھتے ہی اس کا کام کیوں تمام کر دیا"؟

شیر بولا "اس لئے کہ اس نے آپؑ کو تکلیف دی"۔

حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا۔ "پھر تو نے اس کا خون کیوں نہیں پیا"؟

شیر نے جواب دیا۔ "میرا رزق دنیا میں سے اٹھ چکا ہے"۔

مولاناؒ نے اس حکایت میں یہ نصیحت بیان فرمائی ہے کہ بزرگوں کا امتحان نہ لے۔ اس سے سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

حضرت داؤدؑ کے عہد کا خواجہ کش غلام

VNB

حضرت داؤدؑ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص سب کے سامنے یہ دعا کرتا تھا کہ "یا اللہ ! مجھے بغیر کسی محنت کے روزی عطا کر۔ تو نے مجھے ناکارہ اور مریل پیدا کیا ہے۔ تو مجھے رزق بھی مشقت کے بغیر دے۔ کیونکہ مریل گدھے پر گھوڑوں اور اونٹوں کا بوجھ نہیں لادا جا سکتا۔ تو نے جہاں مجھ جیسے اور آرام طلب انسانوں کا رزق مہیا کیا ہے میرا بھی کر دے۔ پاؤں والا تو چل پھر کر روزی پیدا کر سکتا ہے اور جس کے پاؤں

نہ ہوں اس کو تو تیرا ہی آسرا ہے۔ میں زبان ہلا کر تجھ سے مانگ سکتا ہوں لیکن مشقت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا"۔ وہ شخص رات دن اسی دعا میں مشغول رہتا تھا۔ لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر ہنستے اور کہتے تھے۔ یہ شخص بڑا بیوقوف ہے۔ خدا نے ہر کسی کو کھانے کمانے کے گر بتائے ہیں۔ اسی میں دل لگا کر روزی پیدا کرتا ہے۔ اس دنیا میں بے سبب کسی کو رزق نہیں ملتا ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے نبی داؤد علیہ السلام ہیں۔ جانور تک ان کا حکم مانتے ہیں۔ خدا نے انہیں معجزے بھی عطا کئے ہیں۔ خوش الحان ایسے ہیں کہ ان کے وعظ میں سینکڑوں لوگ اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں۔ ان کی خوش الحانی سے ہرن اور چیتے تک مست ہو کر بت بن جاتے ہیں۔ پرندے تو ایک طرف پہاڑ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ باوجود اتنی شان کے ان کو بھی مشقت کے بغیر روٹی نہیں ملتی۔ مگر یہ ناکارہ انسان یہ چاہتا ہے کہ اسے بیٹھے بٹھائے خزانہ مل جائے۔ اسے کوئی کسب نہ کرنا پڑے۔ بھلا دنیا میں یہ بھی کبھی ہوا ہے۔

لوگ سو سو باتیں کرتے مگر وہ اپنی دعا میں مشغول رہتا۔ پھر لوگوں نے اس سے مذاق کرنا شروع کر دیا۔ کوئی آکر کہتا یہ لو ایک بٹیر تمہارے لئے روزی لے کر آن پہنچا۔ کوئی کہتا اس میں ہمارا حصہ بھی نکالنا۔ لوگوں کا یہ مذاق بھی اس کے وظیفہ میں خلل نہ ڈال سکا۔ وہ بدستور دعا کرتا رہا۔ اس کی دعا کا چرچا سارے شہر میں ہو گیا کہ یہ کیسا انسان ہے جو خالی ہتھیلی میں پنیر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی۔ جو تلاش کرے آخر اس کو مل جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دل سے دعا کرنے والے کو دوست رکھتا ہے۔

جب وہ شخص صبح کے وقت دل سے دعا کرتا رہا تو اچانک ایک دن ایک بیل نے آکر اس کے دروازے پر ٹکر ماری۔ کنڈی توڑ ڈالی۔ بے باکی سے اندر گھس آیا۔ دعا گو نے یقین کیا کہ اس کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ جلدی سے اٹھا اور اس کی ٹانگوں میں رسہ ڈال کر کھینچا۔ اسے ذبح کر ڈالا۔ قصاب کو لے آیا کہ اس کا گوشت کاٹ دے۔

ادھر جب مالک نے بیل کو اپنی جگہ نہ پایا تو تلاش کرتے ہوئے اس جگہ پہنچا جہاں وہ ذبح ہوا تھا۔ اور کہا کہ اے ظالم! تو نے میرا بیل کیوں ذبح کر دیا؟

اس نے جواب دیا کہ میں خدا سے ایک مدت سے دعا کرتا رہا ہوں کہ میرا رزق میرے پاس پہنچا دے۔ اس نے دعا قبول کی اور اس بیل کی شکل میں روزی بھیج دی۔ اور میں نے خدا داد سمجھ کر ذبح کر لیا۔ بیل والا یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور بے تحاشا مارا اور گریبان سے پکڑ لیا اور حضرت داؤدؑ کی کچہری کی طرف لے چلا۔ وہ راہ میں فریاد کرتا جاتا تھا کہ لوگو اس خائن نے میرا بیل مار ڈالا اور نہایت شوخ چشمی سے کہتا ہے کہ خدا نے میری دعا قبول کر لی۔ بیل کو میرے پاس بھیجا اور میں نے اسے اپنا رزق سمجھ کر ذبح کر لیا۔ انصاف کرو کیا یہ حق بجانب ہے اگر ایسا جائز ہو تو ہر گدا امیر کا مال ہتھیا لے۔ اور کہے کہ میں نے دعا کی تھی۔ خدا نے مجھے مال دے دیا۔ یہ شخص تو صحیح سالم ہے اندھے اور لولے بھی امیروں کو سو دعائیں دیتے ہیں تو روٹی کا ٹکڑا پاتے ہیں۔

بیل پانے والے نے منہ آسمان کی طرف کر کے کہا۔ اے رحیم و کریم خدا! تو ہی جانتا ہے کہ میں نے کتنے سچے دل سے دعا کی تھی۔ یہ دعا بھی تو نے میرے دل میں ڈالی تھی۔ میں فضول دعائیں نہیں کرتا رہا۔ بلکہ حضرت یوسفؑ کی طرح سچے خواب دیکھ کر میں نے دعائیں کی ہیں۔ حضرت یوسفؑ کو جس طرح زندان میں بھی اپنے خواب کی صداقت کا یقین رہا کہ وہ ایک دن شاہی تخت کے مالک ہوں گے اسی طرح مجھے بھی یقین رہا اور میں نے اسی بنا پر بیل کو تیری عطا سمجھ کر ذبح کر لیا۔ اگر وہ حلال نہ ہوتا تو میرے حلق سے نیچے نہ اترتا۔ میں نے روز الست جو خواب دیکھا تھا۔ اسی نے مجھے تیری بندگی میں مست کر دیا۔ میری مثال اس مست اونٹ کی سی ہے جو سستی اور تکان محسوس کئے بغیر منہ سے جھاگ نکالے بوجھ اٹھائے چلا جاتا ہے کہ اپنی اونٹنی سے ملاپ کرے۔ میں نے بھی اپنی مستانہ دعا میں معروف رہ کر اپنی مراد پائی ہے۔ یہ مدعی مجھے تیرا بندہ نافرمان سمجھ کر شیطان کی طرح کوس رہا ہے۔ میں نے صاف دل سے دعائیں

کیں اور کامیاب ہوا۔ اور یہ دل کا اندھا مجھے اندھا کہہ رہا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ میں اگر اندھا ہوں تو تیرے عشق میں اندھا ہوں۔ اور حسب دستور تیرے غیر سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ یا اللہ تو بصیر ہے۔ تو ظاہر کر دے کہ میں اندھا نہیں ہوں۔ اور میری باتیں بکواس نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت پر مبنی ہیں۔ اگر میں برا بھی ہوں تو تو پردہ پوشی کر لے اور مجھ کو ان کے سامنے ذلیل نہ کر۔ تو نے مجھے بیل سے نوازا ہے۔ میں نے چوری نہیں کی۔

آخر مدعی اور مدعا علیہ دربار داؤدی میں حاضر ہوئے۔ آپؑ نے پوچھا مقدمہ کیا ہے؟"

مدعی نے کہا۔ "اے اللہ کے نبیؑ! میرا بیل اس کے گھر میں گھس گیا۔ اور اس نے ذبح کر لیا۔ اب اس سے پوچھیں اس نے ایسا کیوں کیا؟"

حضرت داؤدؑ نے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے خدا سے کئی سال دعا مانگی کہ خدایا! مجھے بلا مشقت روزی عطا فرما۔ میری اس دعا سے سب لوگ آگاہ ہیں۔ آپ جس سے چاہیں پوچھیں۔ وہ بغیر کسی دباؤ کے میری تصدیق کرے گا۔ اس دعا کے نتیجہ میں یہ بیل خود بخود دروازہ توڑ کر میرے گھر آ گیا۔ میں بڑا خوش ہوا کہ خدا نے میری سن لی۔ میں نے اس کو ذبح کیا اور بطور شکرانہ گوشت تقسیم کر دیا۔

حضرت داؤدؑ نے بیان سماعت فرما کر کہا کہ تیرا یہ جواب بے دلیل ہے۔ شریعت ظاہر پر حکم کرتی ہے۔ یہ بیل تجھے بخشا گیا نہ تو نے خریدا۔ نہ وراثت کے طور پر ملا۔ نہ تو نے کسب سے پیدا کیا جب تک کوئی کاشت نہ کرے پیداوار لینے کا حقدار نہیں ہوتا۔ تو نے کسی جائز طریقے سے بیل حاصل نہیں کیا۔ پس فیصلہ یہ ہے کہ زیادہ باتیں نہ بنا۔ اور اس کا مال اس کو دے دے۔ چاہے تجھے قرض لینا پڑے۔ جس طرح بھی ہو حق یہی ہے مجھ سے باطل کی امید نہ رکھ۔

یہ حکم سن کر اس نے کہا۔ "اے اللہ کے نبی! آپؑ بھی وہی بات کہتے ہیں جو ظالم لوگ کہہ رہے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے پھر اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اور کہا۔ اے

میرے دل کا درد جاننے والے! جو روشنی تو نے میرے دل میں ڈالی ہے۔ داؤدؑ کے دل میں بھی ڈال دے۔ اور اسے حقیقت حال سے آگاہ کر دے۔ اس دعا کے بعد بے اختیار اس کے دل سے آہ و فغاں نکلی۔ جس نے حضرت داؤدؑ کے دل پر بڑا اثر کیا۔ اور کہا۔ "اے مدعی! مجھے ذرا اور غور کرنے دے۔ جلدی نہ کر۔ میں دانائے راز خدا سے مشغول نماز ہو کر حکم حاصل کر کے فیصلہ سناؤں گا۔ دل کی صفائی کی بدولت میری روح کا دریچہ کھلا ہوا ہے۔ جس سے بالواسطہ خدا کی وحی میری طرف آتی ہے۔ معرفت کی باتوں میں جن کا بیان مثنوی میں ہے آپ ایسے محو ہوئے کہ آپ کو دنیا کی خبر نہ رہی۔

آخر ایک شخص نے آپ کا دامن کھینچ کر آپؑ کو مقدمہ کی طرف متوجہ کیا آپؑ حجرے میں گئے اور دروازہ بند کر کے دعا کی کہ الہٰی! مجھے حقیقت حال سے آگاہ کر دے۔ چنانچہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر دوسرے دن اپنا دربار منعقد کیا۔

مدعی نے پھر مدعا علیہ کو مخاطب کر کے طعن و تشنیع کرنا شروع کیا۔ کہ تو نے ناحق میرا بیل ذبح کر کے کھا لیا۔ جو تجھے کس طرح حلال ہو سکتا ہے۔ میرا مال مجھے دیدے۔ یہ کوئی وجہ جواز نہیں کہ میں نے اتنی مدت دعا کی تو خدا نے مجھے یہ بیل بھیج دیا۔ پھر حضرت داؤدؑ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے خدا کے نبیؑ! یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بیل تو میری ملکیت ہو اور اسے خدا کسی اور کو دیدے۔

حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ یہاں سے خاموشی کے ساتھ چلا جا۔ اور بیل کا تقاضا نہ کر۔ جب خدا نے تیری پردہ پوشی کی ہے تو اب خود راز کو ظاہر نہ کر۔ بیوقوف مدعی یہ حکم سن کر شور مچانے لگا کہ یہ کیا انصاف ہوا۔ کیا اب کوئی نئی شریعت نافذ ہو گئی۔ آپؑ کے انصاف کی شہرت زمین سے آسمان تک پہنچ چکی ہے۔ مگر مجھ پر جو ظلم کیا جا رہا ہے۔ وہ لڑکوں نے کبھی اندھے کتے پر بھی نہیں کیا۔ یہ ظلم تو پہاڑوں کو بھی پھاڑ دے گا"۔

مدعی اسی طرح شور مچاتا رہا اور انصاف کی دہائی دیتا رہا کہ اے خدا کے نبیؑ!

مجھ پر ایسا ظلم روا نہ رکھیں۔

یہ سن کر حضرت داؤدؑ نے مدعی سے کہا کہ اب تیرے لیے حکم یہ ہے کہ تو اپنا سب مال مدعا علیہ کے حوالے کر دے تو بہتر ورنہ تیرا پول کھول دیا جائے گا۔

مدعی نے یہ سنکر سر پر خاک ڈالی اور کپڑے پھاڑ کر کہا کہ آپ ظلم پر ظلم کیئے جاتے ہیں۔ وہ دیر تک یہی گستاخانہ کلمات بکتا رہا۔

حضرت داؤدؑ علیہ السلام نے فرمایا۔

"اے بد نصیب گدھے ! تیری قسمت میں پردہ پوشی نہیں۔ تیرا ظلم بتدریج ظاہر ہو رہا ہے۔ تو اپنا زیر جامہ نجاست آلود کر چکا ہے۔ اور اس قابل نہیں کہ تجھے پھوس بھی دیا جائے۔"

یہ سن کر مدعی نے پھر واویلا شروع کر دیا۔ جس پر حضرت داؤدؑ کو غصہ آیا اور فرمایا۔ "تیری جان تب بچ سکتی ہے جب تو اپنے اہل و عیال کو بھی مدعا علیہ کے حوالے کر دے"۔

اس حکم پر وہ پتھر سے اپنا سر پھوڑنے اور ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ لوگ بھی حیران تھے کہ حضرت یہ کیسا حکم دے رہے ہیں؟۔ مولاناؒ فرماتے ھیں۔ جو شخص تنکے کی طرح نفس کی ہوا کے بس میں ہو وہ ظالم اور مظلوم میں کیا تمیز کر سکتا ہے۔ ایسا وہی کر سکتا ہے جو ظالم نفس کا سر کاٹ ڈالے۔ ورنہ یہ ظالم نفس جوش میں ہر مظلوم کا دشمن ہوتا ہے۔ غریب پر حملہ کرنا اور جہاں تک ہو سکے اسے کاٹ کھانا کتے کا کام ہے۔ جبکہ شیروں کو شرم ہوتی ہے اور وہ ہمسایوں کے شکار پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔

حضرت داؤدؑ کے حکم پر مدعی کے حمایتی جو مظلوم کش اور ظالم تھے گھات سے نکل کر کتوں کی طرح عوعو کرنے لگے کہ یا نبیؑ ! آپ ناکردہ گناہ پر کیا ستم کر رہے ہیں۔

حضرت داؤدؑ نے یہ ہنگامہ دیکھ کر کہا اب راز فاش کرتے ہی بنے گی۔ آؤ میرے ساتھ جنگل کی طرف چلو۔ جہاں ایک گھنے درخت کی جڑوں سے بے گناہ کے خون کی بو آرہی ہے۔ اس مدعا علیہ کے باپ کے خون کی جو اس ظالم مدعی نے بے دریغ بہایا۔

تا کہ اپنے مقتول آقا کے مال و منال پر قبضہ کر سکے۔ اب تک خدا نے پردہ پوشی کی مگر اب اس کی ناشکری نے پردہ اٹھا دیا۔ اس ظالم نے اتنا بھی نہ کیا کہ جس کو قتل کیا اس کے یتیم بچے کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھتا۔ اور عید بقرعید پر ہی اس کے منہ میں لقمہ ڈال دیتا۔ کیا تو یہ کیا کہ ایک بیل کے لئے سر زمین پر چیخ رہا ہے حالانکہ اپنے آقا کے کئی بیل اس نے ہتھیائے ہیں۔ اور پھر طرفہ یہ ہے کہ اپنی اس سفاکی پر یہ کبھی شرمندہ نہیں ہوا۔ اور اپنے فعل پر اس نے کبھی خدا سے معافی نہیں مانگی"۔

یہ فرما کر حضرت داؤدؑ لوگوں کو جنگل کی طرف لے گئے اور مدعی کو ایک درخت کے پاس کھڑا کر کے کہا کہ یہاں تو نے اپنے آقا (خواجہ) کو قتل کر کے دفن کر دیا تھا۔ تیری چھری بھی جس پر تیرا نام کندہ ہے یہیں ملے گی۔ جو تیری بیوی ہے وہ تیرے آقا کی لونڈی تھی۔ لہٰذا وہ بال بچوں سمیت اس کے بیٹے کی ملکیت ہے۔ تو خود خواجہ کا غلام ہے۔ پس تیری سب کمائی بھی اس کا حق ہے۔

یہ بیان کر کے حضرت داؤدؑ نے زمین کھودنے کا حکم دیا۔ اس میں سے خواجہ کی کھوپڑی اور چھری بر آمد ہوئی۔ یہ دیکھ کر ہجوم میں ہلچل مچ گئی۔ اور سب اپنی گستاخی پر نادم ہو کر معافی مانگنے لگے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے درخت سے فرمایا جو کچھ تجھے معلوم ہے بیان کر

خدا کی قدرت سے درخت سے آواز آئی۔ "اے اللہ کے نبیؑ! جو کچھ آپ نے فرمایا ہے خدا شاہد ہے کہ بالکل سچ ہے۔ اس کتے نے چھری سے اپنے آقا کو یہاں ہلاک کیا تھا"۔

اس کے بعد حضرت داؤدؑ نے بیل ذبح کرنے والے سے کہا۔

"آؤ اپنا انصاف لو۔ اور اسی چھری سے اسے ہلاک کر دو"۔

چنانچہ وہ کیفر کردار کو اور حق حقدار کو پہنچا۔

حضرت حسن علیہ السلام کی شان احسان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے اور سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ ایک دن لوگوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ غلام شوربے کا بادیہ لیکر حاضر ہوا۔ اتفاقاً لڑکھڑا کر گر پڑا۔ شوربہ حضرت حسنؓ کے کپڑوں پر گرا۔ آپ نے غلام کو غصہ سے گھورا۔ جس سے وہ کانپ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے قرآن مجید کی آیت یاد آئی۔

اس نے پڑھا — "**الکاظمین الغیظ**"

آپ نے فرمایا — "میں نے غصہ پی لیا"۔

جب اس نے کہا — "**والعافین عن الناس**"۔

آپؓ نے فرمایا — "جا میں نے تیری خطا معاف کی"۔

اس کے منہ سے نکلا — "**واللہ یحب المحسنین**"۔

آپؓ نے فرمایا — "جا میں نے تجھے آزاد کیا"۔

مثنوی کی اس حکایت میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جو لوگ خطا کاروں کی خطا معاف کرتے ہیں۔ اللہ ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

لڑکا اور آگ

توجہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک مشرک بادشاہ نے لوگوں کو جبراً بت پرست بنانے کی ٹھان لی۔ اس نے میدان میں بڑی تیز آگ جلائی۔ پاس ایک بت کھڑا کیا۔

اور حکم دیا کہ جو شخص آکر بت کو سجدہ نہ کرے اسے آگ میں جھونک دو۔

بت کو سجدہ نہ کرنا اس وقت بڑے دل گردے کا کام تھا۔ کئی لوگوں نے زندہ جلنے کے خوف سے بت کو سجدہ کیا۔ ایک دلیر خدا پرست عورت کی باری آئی تو اس نے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا کہ میں پتھر کے بت کو سجدہ کروں۔ جان عزیز ہے لیکن ایمان جان سے زیادہ عزیز ہے"۔

یہ سن کر بادشاہ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس عورت سے لڑکا چھین کر آگ میں پھینک دیا جائے۔

غضب ناک بادشاہ کا حکم سن کر عورت کے استقلال میں کچھ فرق آنے لگا۔ لڑکے نے بھڑکتے آتش کدہ سے آواز دی۔

"ماں! اپنا ایمان برباد نہ کرنا۔ اگر تو آکر دیکھے تو تجھے آگ گلزار نظر آئے گی۔ کافروں کے لیے یہ بیشک جلانے والی ہے۔ مگر مومنوں کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی طرح گلزار ہے۔ ان کے لئے اس میں خنکی ہے گرمی نہیں۔ بے خوف و خطر آجا۔ اور دوسرے مومنوں کو بھی اپنے ساتھ لے آ"

یہ دیکھ کر دوسرے ایماندار بھی آگ میں کود گئے۔ وہ عورت بھی آگ میں کود گئی۔

بادشاہ یہ دیکھ کر بڑا نادم ہوا۔ اس نے آگ بگولہ ہو کر آگ سے کہا۔ تیری جلا دینے والی خاصیت کیا ہوئی۔ ہم تجھے ہزاروں سال سے پوجتے آر ہے ہیں تو ہمیں فوراً جلا دیتی ہے۔ مگر اپنے منکروں کے لئے تو ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

آگ بولی۔ میں جس کی بندی ہوں اس کے حکم کی سرتابی نہیں کر سکتی۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جاٹ کی کتیا جنگل میں کیسی کٹ کھنی ہوتی ہے۔ مگر جب مالک پاس ہو تو وہ بجائے کاٹنے کے اس کے مہمان کے قدموں میں لوٹنے لگتی ہے۔ میں بندگی میں کیا کتیا سے بھی گئی گزری ہوں۔ کہ مالک اور خالق کے عزیز بندوں کو جلا ڈالوں۔ میں

تجھے بے جان نظر آتی ہوں۔ یہ تیری نظر کا قصور ہے۔ میں اپنے مولا کے زیر فرمان ہوں"۔

آگ ، ہوا ، پانی ، اور خاک ، بھی اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔ آگ کو اس نے تابع فرمان کر دیا۔ آگ کو اس نے ابراہیمؑ پر گلزار کر دیا۔ ہوا نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔ مگر حضرت ہودؑ کے پیرو کاروں کو محفوظ رکھا۔ پانی نے فرعون اور فرعونیوں کو غرق کر دیا۔ مگر حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو پار اتار دیا۔ خاک نے قارون کے خزانوں کو نگل لیا۔ مگر ان کے تابعداروں کو محفوظ رکھا۔

اللہ تعالیٰ کے یہ کرشمے دیکھ کر بھی کافر بادشاہ ایمان نہ لایا۔ اپنی ضد پر برابر اڑا رہا۔ جن امیروں وزیروں نے اسے توبہ کرنے کو کہا انہیں بھی اس نے قید کر دیا۔ فوراً غیب سے ایک آواز آئی۔

"ظالم سنبھل جا۔ ہمارا قہر آتا ہے"۔

چنانچہ آگ چالیس گز تک اور پھیل گئی۔ بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کو جلا کر بھسم کر دیا۔

جو شخص اہل حق کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ آخر خود ہی ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔

ایک دانا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ دنیا میں سب سے سخت اور خوفناک شے کونسی ہے؟

حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ اللہ کا غضب سب سے زیادہ خوفناک ہے"۔

دانا نے کہا۔ "بالکل بجا ہے۔ اس سے بچنے کی کوئی تدبیر بھی بتا دیجئے"۔

ارشاد ہوا۔ "وہ شخص خدا کے قہر و غضب سے محفوظ رہتا ہے جو اپنے محکوموں

پر غصے نہ ہو اور مظلوموں پر ظلم نہ کرے۔ جو غصہ پی جاتا ہے۔ وہ اللہ کی رحمت میں
جگہ پاتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتا ہے"۔

ابو جہل کی بدنصیبی

ابو جہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بد ترین دشمن تھا۔ ایک دن مٹھی بند
کئے حاضر ہوا۔ بولا۔
"محمدؐ! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم پیغمبر ہو۔ اور راز آسمانی سے واقف ہو۔ اگر تم
اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"میں بتاؤں کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے یا جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے وہ بتا
دے کہ وہ کیا ہے"۔
ابو جہل نے کہا۔ دوسری بات تو اور بھی عجیب ہے"۔
حضور علیہ السلام نے فرمایا۔
"میرا خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ میں بتائے دیتا ہوں کہ تیرے ہاتھ میں چھ
سنگریزے ہیں۔ اب کان لگا کر سن لے کہ وہ کیا کہتے ہیں"؟
ابو جہل نے سنا کہ اس کی مٹھی میں بند کنکر کلمہ طیبہ پڑھ رہے تھے۔
"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"
مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔
لا الہ گفت و الا اللہ گفت گوھر احمدؐ رسول اللہ سفت
ابو جہل مردود یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا۔ اور کنکروں کو ہاتھ سے پھینک
کر بڑبڑاتا ہوا چلا گیا کہ محمدؐ (نعوذ باللہ) بہت بڑے جادوگر ہیں۔ ابو جہل کے متعلق

مولاناؒ فرماتے ہیں۔

خاک بر فرقش کہ بدکور و لعیں
چشم او ابلیس آمد خاک بیں

جو سیاہ باطن ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہمدرد بنی نوع انسانی کے باب رحمت سے بھی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت عیسیٰؑ اور بدگو دشمن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن وعظ فرما رہے تھے۔ ہر لفظ تاثیر میں ڈوبا ہوا تھا۔ سب لوگ اس سے متاثر ہو رہے تھے۔ ایک دشمن بھی وہاں کھڑا تھا۔ وہ بول اٹھا۔

"لوگو! اس کی بات نہ سنو۔ اس نے مکر کا جال بچھا رکھا ہے سب ظاہرداری ہے۔ اصل کچھ بھی نہیں۔ اس کے باپ کا پتہ نہیں کہ کون تھا۔ مال و دولت بھی اس کے پاس نہیں۔ ہر وقت بے نواؤں کی طرح ادھر ادھر پھرتا رہتا ہے۔ کبھی کہتا ہے شریعت پر چلو۔ کبھی کہتا ہے جو دل میں آئے کرو۔ خدا کو تمہاری عبادت کی ضرورت نہیں۔ اس کا اصل مدعا یہ ہے کہ کہیں بادشاہی مل جائے۔ کبھی کہتا ہے قیصر کی اطاعت فرض ہے۔ میں تو آسمانی بادشاہ ہوں۔ تمہیں خراج دنیاوی بادشاہ کو دینا چاہئے الغرض اس کے تمام کام بس ایسے ہی ہیں۔ ایسے آدمی کے چال چلن کا بھی کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کبھی زاہد بن بیٹھتا ہے۔ کبھی شراب پینے لگتا ہے۔ شریف آدمیوں میں سے اس کا کوئی رفیق نہیں۔ اس کے جال میں جو دس بارہ ڈاکو پھنسے ہیں۔ ان میں سے کوئی کنجڑا ہے کوئی دھوبی۔ کوئی جولاہا ہے کوئی تیلی"۔ اس کی یہ تقریر سن کر حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا۔

اے بھائی! خدا تجھ پر رحمت کرے۔ میں تیرا ممنون ہوں کہ تو نے مجھے میرے عیبوں سے آگاہ کیا"۔

اس پر اس بدمعاش نے آپؑ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ آخر کافی دیر بکواس کر کے وہ تھک کر چل دیا۔

ایک حواری نے حضرت عیسیٰؑ سے عرض کیا۔

"حضرتؑ! اس نابکار کی طرف سے یہ سختی اور جفا اور آپؑ کی جانب سے یہ نرمی اور دعا۔ آپؑ کو ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہیے تھا"۔

"آپؑ نے فرمایا بھائی میں ناچار ہوں۔ جو کچھ اندر ہو وہی باہر آتا ہے۔ مجھ میں خدا نے رحمت بھری ہے۔ میں کسی پر سختی کس طرح کر سکتا ہوں"۔

نیک سے نیکی ہو اور بد سے بدی
ظرف میں جو ہو گا ٹپکے گا وہی

حضرت انسؓ کا دسترخوان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک دن دعوت تھی۔ ایک مہمان کا بیان ہے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میزبان نے دیکھا کہ دسترخوان میل سے زرد ہو رہا ہے۔ آپؓ نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا۔

"اس کندوری کو تنور میں ڈال دے"۔

کنیز نے فوراً اسے تپتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ مہمان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور انتظار کرنے لگے۔ کہ کب کندوری کا دھواں اٹھتا ہے۔ ان کی حیرت کی حد نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ ایک ساعت کے بعد دسترخوان تنور سے نکال لیا گیا۔ جو نہ

جھلسا نہ جلا بلکہ اس کی میل کچیل دور ہو گئی۔

مہانوں نے میزبان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ آگ نے اسے نہیں جلایا؟

حضرت انسؓ نے کہا کہ اس دستر خوان سے کئی بار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ پونچھا ہے۔ ہاتھ پونچھے ہیں۔ اسے آگ نہیں جلا سکتی۔

مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں ۔

گفت زانکہ مصطفےؐ دست و دہاں
بس بما لید اندریں دسترخواں
اے دل ترسندہ از نار و عذاب
با چناں دست و بے کن اقتراب

اے دل! اگر تجھے آتش دوزخ سے نجات پانے کی فکر ہے تو رسول اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل کر جب آپؐ نے بے جان چیز کو جلنے سے بچا لیا تو جو آپؐ کے قریب ہو گا کیسے جلے گا۔

پھر مہمانوں نے خادمہ سے پوچھا کہ بتا تو نے کیوں حضرت انسؓ کے کہنے سے بغیر سوچے سمجھے کندوری کو آگ میں ڈال دیا؟"

اس نے جواب دیا کہ میں حکم کی باندی ہوں۔ میرا کام حکم ماننا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ جو حکم کریں گے وہ نقصان رساں نہ ہو گا۔ یہ تو دسترخوان تھا۔ اگر وہ مجھے کہتے کہ خود تنور میں کود پڑو تو میں کود جاتی۔

یہ حکایت بیان کر کے مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ "اے بھائی! صدق اور ایمان میں اس عورت سے کم نہ ہو۔ مردان خدا کا دامن پکڑ۔ لمس سے کندن بن جاؤ گے"۔

پرنالے پر بیٹھا بچہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیٹھے تھے کہ ایک عورت ہانپتی کانپتی آئی اور کہنے

گی۔

"حضرتؒ ایک بڑی مشکل آن پڑی ہے۔ خدا کے واسطے اسے حل فرمائیں"۔

آپؒ نے پوچھا۔ "کیا معاملہ ہے"۔

عرض کیا۔ "میں کوٹھے کی چھت پر بیٹھی کپڑا سی رہی تھی کہ میرا ایک سالہ بچہ میرے پاس سے کھیلتا ہوا گھٹنوں کے بل پرنالے پر پہنچا میں نے بڑا دودھ کا لالچ دیا اور ہر ڈھب سے اسے واپس بلانے کی کوشش کی مگر وہ پرنالے کے سرے پر جم کر بیٹھ گیا ہے۔ مجھے دیکھ کر مسکرا دیتا ہے مگر ادھر سے ہلنے کا نام نہیں لیتا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ پرنالے سے گر کر ہلاک نہ ہو جائے۔ خدا کے لیے کوئی علاج بتائیں کہ وہ میرے پاس چھت پر آجائے۔

آپؒ نے فرمایا "جاؤ اس کا ایک ہم عمر بچہ لے جا کر چھت پر پرنالے کے سامنے بٹھا دو۔ جب وہ اپنے ہم جنس کو دیکھے گا تو ہم جنسی کی کشش اسے کھینچ لائے گی"۔

وہ عورت اپنے بیٹے کی عمر کا ایک بچہ لے گئی۔ جسے چھت پر سامنے دیکھ کر پرنالے پر بیٹھا بچہ واپس آگیا۔ اور ماں کی جان میں جان آئی۔

ہم جنسی کی بڑی کشش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسانوں میں سے ہی انبیاءؑ کو ہدایت کے لیے بھیجا۔ کبھی کوئی فرشتہ نبیؑ بنا کر نہیں بھیجا۔ کیونکہ اس صورت میں انسانوں کا ان سے مانوس ہونا اور بات سننا ممکن نہیں تھا۔

کافر مہمان

* حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت مسجد نبوی میں اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ چند کافر وہاں آگئے اور بولے کہ ہم مسافر ہیں۔ ہمارے طعام و قیام کا بندوبست کر دیں۔ ہم نے سنا ہے کہ آپؐ بڑے مہمان نواز ہیں۔ سب بادشاہوں اور بندوں کے دستگیر ہیں حضورؐ نے یاران کبار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"آؤ ہم سب ایک ایک مہمان آپس میں تقسیم کرلیں"۔

چنانچہ سب اپنا اپنا مہمان لے کر گھروں کو روانہ ہوئے۔ حضورؐ کے لئے جو باقی رہا وہ بڑا بد مزاج اور پر خور تھا۔ آپؐ اس کو اپنے ہاں لے گئے۔ اس وقت آپؐ کی سات بکریاں دودھ دیتی تھیں وہ تمام کا دودھ پی گیا۔ اور گھر میں جتنا کھانا پکا تھا وہ بھی شرارت سے چٹ کرگیا۔ آپؐ نے اسے علیحدہ سونے کے لیے حجرہ دے دیا۔ خادمہ کو اس کی شرارت پر بڑا رنج تھا۔ وہ آئی اور دروازہ باہر سے بند کرگئی۔

آدھی رات گزری تو مہمان کو درد شکم ہوا اور دست آنے لگے۔ وہ اندر ہی قضائے حاجت کرتا رہا۔ اس نے تمام کپڑے بھی خراب کر دیئے۔ آپؐ نے صبح آکر دروازہ کھولا۔ اور اسے آواز دی کہ بیدار ہو اور خود عمداً ایک طرف ہو گئے۔ تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو۔ دروازہ کھلا دیکھ کر وہ آہستگی سے باہر نکلا۔ اور نظر بچا کر بھاگ گیا۔ ایک شخص اس کافر کے نجس کئے ہوئے کپڑے حضورؐ کے سامنے لے آیا اور بولا۔

"یا حضرتؐ! دیکھیے اس شخص کے کرتوت"۔

آپؐ ہنسے اور فرمایا۔

"کچھ فکر نہیں۔ لاؤ میں ان کپڑوں کو اپنے ہاتھ سے پاک کردوں"۔

صحابہؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ! ہماری جانیں اور جسم آپؐ پر قربان۔ یہ ناپاک کپڑے ہم دھوئیں گے۔ کیونکہ یہ ہاتھوں کا کام ہے دل کا نہیں۔ ہم آپؐ کی خدمت گزاری کے لیے زندہ ہیں۔ جب ایسا کام آپؐ کرنے لگیں تو ہم کس لئے ہیں"؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو تم کہتے ہو سچ ہے۔ مگر میرے دھونے میں ایک حکمت ہے جو ابھی ظاہر ہو گی"۔

وہ شخص اپنی ہیکل حجرے میں بھول گیا تھا۔ جب اسے یاد آئی۔ تو وہ تمام شرم و حیا بالائے طاق رکھ کر واپس لوٹا۔ طمع بری بلا ہے۔ حیا باقی چھوڑتا ہے نہ شرم۔ جب

اس نے دیکھا کہ خواجہ کون و مکان اپنے دست مبارک سے اس کافر کی نجاست دھو رہے ہیں۔ تو اس کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اور بڑا افسوس کرنے لگا۔ حضورؐ نے اس کو تسلی دی۔ فرمایا۔

"کوئی بات نہیں۔ یہ لو اپنی ہیکل"۔

مولانا رومؒ "مثنوی میں فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر وہ اور بھی شرمندہ ہوا اور معافی مانگنے لگا۔ بول اٹھا۔

"اسلام برحق ہے۔ آپؐ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ میں جھوٹا ہوں۔ میرا دین جھوٹا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

بس وہ مسلمان ہو گیا۔ رات کو اس کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ تو اس نے بہت کم کھایا۔ کہا

"کفر کی حالت میں میرا دوزخ شکم کبھی نہ بھرتا تھا۔ اب نور اسلام نے مجھے سیر کر دیا ہے"۔

حضور علیہ الصلواۃ والسلام ابر کرم اور بحر رحمت تھے۔ دوست دشمن سب سے بھلائی کرتے تھے۔ اسی لئے دنیا آپؐ کے تابع ہو گئی۔

کچھ ان کے خلق نے کچھ ان کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دنیا شہ ابرار نے کر لی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک دفعہ دشمن سے سامنا ہوا۔ دشمن زخمی ہو کر بھاگا۔ حضرت علیؓ نے دوڑ کر اسے جا لیا۔ اور اس کا سر تن سے جدا کرنے ہی کو تھے کہ اس نے نیچے پڑے پڑے آپؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپؓ فوراً اس کے سینہ پر سے اترے اور اسے چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ وہ یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ مجھ پر

قابو پا کر میری اس نازیبا اور گستاخانہ حرکت کے باوجود آپؓ نے کیوں چھوڑ دیا۔ پوچھا۔

"حیدر کرارؓ! یہ کیا بات ہے۔ آپؓ کو تو مجھے قتل کر دینا چاہیے تھا کیونکہ میں نے شرارت سے آپؓ کے مبارک چہرہ پر تھوکا تھا۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"میں تجھ سے حق پر اللہ کے لیے لڑا تھا۔ کوئی ذاتی عداوت نہ تھی۔ تو نے اس حرکت سے میرے نفس کو انتقام پر ابھارا۔ مجھے غصہ آگیا۔ میں خدا کی توفیق سے فوراً [illegible]۔ اگر میں تجھے مار ڈالتا تو خدا کو کیا منہ دکھاتا میں شیر حق ہوں۔ نفس کے کہنے پر نہیں چلتا۔"

یہ خلوص دیکھ کر وہ مشرک فوراً مسلمان ہو گیا۔ اور اس کے اثر سے اس کی ساری قوم بھی مسلمان ہو گئی۔

مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ اجر اسی کام کا ملتا ہے جو خلوص سے اللہ کے لیے کیا جائے۔

حضرت عمرؓ اور قیصر روم کا ایلچی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ تھے تو آپؓ کی خدمت میں قیصر روم کا ایلچی آیا۔ وہ سارے شہر میں تلاش کرتا پھرا کہ کہیں کوئی اونچا محل نظر آئے اور وہ خلیفہ سے ملاقات کرے۔ مگر اسے مدینہ میں کوئی محل دکھائی نہ دیا۔ لوگوں سے پوچھا تو جواب ملا کہ مسلمانوں کے خلیفہ اور عام غریبوں کے گھر میں کچھ فرق نظر نہ آئے گا۔ یہ سن کر قاصد کا شوق ملاقات اور بڑھا۔ اور وہ ہر طرف تلاش کرنے لگا۔ وہ تعجب کرتا

تھا کہ اس قدر نامور خلیفہ ہو اور اس کا محل نہ ہو۔ شہر میں یوں چھپا رہے۔ آخر ایک بڑھیا نے کہا ــــ "عمرؓ مخفی نہیں عیاں ہے۔ وہ دیکھو کھجور کے درخت تلے بیٹھا ہے۔"

قاصد آگے بڑھا۔ جونہی چہرے پر نظر پڑی اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ دل پر مسلمانوں کے خلیفہ کا رعب طاری ہوا۔ وہ حیران تھا کہ الہٰی یہ کیا حال ہے۔ میں نے قیصر و کسریٰ کے عالیشان دربار دیکھے ہیں۔ بیسیوں لڑائیاں لڑی ہیں۔ مگر کبھی چہرے کا رنگ نہ بدلا اور نہ کبھی اس طرح کانپنے لگا۔ بیشک اس شخص میں کوئی خاص بات ہے۔

مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ اور حق کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ اس سے سب خوف کھاتے ہیں۔

الغرض تھوڑی دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے۔ ایلچی نے سلام کیا۔ حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب دیا۔ فرمایا۔

"آگے آجاؤ۔ اور خوف کو دل سے دور کرو۔"

مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ قاصد کو خدا ترس پا کر حضرت عمرؓ نے اسے فیض باطنی سے مالا مال کر دیا۔

ایک دفعہ ایک یہودی، عیسائی اور مسلمان سفر میں اکٹھے ہو گئے۔ اور تینوں ایک منزل پر پہنچے۔ ایک شخص ثواب حاصل کرنے کے لیے بڑا مزیدار حلوا پکا لایا۔ جو شہد اور میوے ڈال کر بنایا گیا تھا۔ ساتھ گرم گرم نان بھی تھے۔ شام کا وقت تھا۔ عیسائی اور موسائی کھانا کھا چکے تھے۔ مگر مسلمان نے ابھی روزہ افطار کیا تھا۔ اس کے دو غیر مسلم ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو سیر ہو چکے یہ کھانا آج رکھ چھوڑتے ہیں کل کھائیں گے۔ آج رات صبر کرتے ہیں۔

مسلمان نے کہا کہ یہ نان اور حلوا آج رات ہی کھایا جائے گا۔ صبر کل کریں

گے۔

وہ بولے کیا تیری یہ مرضی ہے کہ اکیلا کھا جائے۔ مسلمان نے کہا کہ ہم تین تن ہیں۔ اپنا اپنا حصہ بانٹ لیتے ہیں۔ جو چاہے اب کھا لے جو چاہے کل کے لیے رکھ چھوڑے۔

وہ بولے! خبردار تقسیم کا نام نہ لو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ بانٹنے والا دوزخی ہوتا ہے۔ مسلمان نے جواب دیا۔

"یہ بات نہیں لیکن خیر تمہاری یہی مرضی ہے کہ حلوا تقسیم نہ ہو تو نہ سہی۔ پڑا رہنے دو۔

ان دونوں کا قصد یہ تھا کہ مسلمان کو رات کو بھوکا رکھیں۔ اگر وہ مسلمان چاہتا تو ان سے چھین کر کھا جاتا مگر وہ چپ رہا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ جو صبح ہم تینوں میں سے اچھا خواب بیان کرے گا۔ حلوا اسی کا حق ہے۔

بیدار ہوئے تو یہودی نے خواب بیان کرنا شروع کیا۔ کہ مجھے رات حضرت موسیٰؑ ملے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔ وہ کوہ طور پر پہنچے۔ اللہ کے نور نے ہم تینوں یعنی موسیٰؑ، مجھے اور کوہ کو ڈھانپ لیا۔ اور ہم اس نور میں گم ہو گئے۔ نور الٰہی کے جلوے سے طور کانپا اور تین ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سمندر میں گرا۔ جس سے اس کا پانی بیٹھ گیا۔ اور وہاں سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ کر بہہ نکلا۔ یہ پانی جس بیمار نے پیا اس کی بیماری دور ہو گئی۔

تیسرا ٹکڑا اڑ کر کعبے کے پاس عرفات میں جا پہنچا۔ اس واقعہ نے ہم کو بیہوش کر دیا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ طور اپنے مقام پر سالم موجود ہے۔ مگر پھر وہ حضرت موسیٰؑ کے قدموں تلے پگھلنا شروع ہوا۔ اور زمین کے برابر ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر مجھ پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ جب پھر [illegible] تو طور اور موسیٰؑ کو ویسا ہی برقرار پایا۔ دامن کوہ کی طرف جو نظر کی تو اس میں بڑے بڑے انبیاء اور اولیا دکھائی دیے۔ جو حضرت موسیٰؑ کی طرح رب ارنی کا نعرہ لگاتے ہوئے طور کی طرف آرہے تھے۔ پھر عجیب مخلوق

نظر آئی جس کے سب اعضاء برف کے تھے۔ اس کے بعد آتشیں صورت کی خلقت دکھائی دی۔ الغرض یہودی نے بڑی شان سے اپنا خواب بیان کیا۔

پھر عیسائی گویا ہوا کہ مجھے حضرت عیسیٰؑ خواب میں ملے اور اپنے ساتھ چوتھے آسمان پر لے گئے۔ وہاں میں نے سورج کا ٹھکانہ اور مرکز دیکھا۔ اور ایسی ایسی چیزیں دیکھیں کہ زمیں پر ان کا آنا ناممکن ہے۔ یہودی نے جو کچھ دیکھا زمین پر دیکھا میں نے آسمان کی سیر کی۔ میرا اور اس کا کیا مقابلہ۔

اب مسلمان کی باری آئی۔ وہ بولا

"دوستو! مجھے میرے بادشاہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔

سید ساوات و سلطان نبیل
معجز کونیں و ہادی سبیل

اور فرمایا کہ تمہارا ایک ہم سفر تو موسیٰؑ کے ساتھ طور کی سیر کر رہا ہے۔ اور دوسرا عیسیٰؑ کے ساتھ چوتھے آسمان پر ہے۔ ان دونوں نے فرشتوں کا درجہ حاصل کر لیا۔ انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہی۔ تو بھوکا ہے۔ زمین پر کیوں پڑا ہے۔ اٹھ اور حلوا کھالے ؟->

جب یہودی اور عیسائی نے یہ سنا تو حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے اور بولے۔

"تو کیا تو نے حلوا کھالیا" ؟

مسلمان نے جواب دیا۔

"مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔ حضورؐ کسی چیز کا حکم دیتے اور میں نہ کرتا۔ یہ کیسے ممکن تھا۔ اے یہودی تو ہی بتا کہ تو حضرت موسیٰؑ کے حکم سے سرکشی کر سکتا ہے؟ اے عیسائی تو ہی بتا کی تجھے حضرت عیسیٰؑ کے ارشاد سے سرتابی زیبا ہے" ؟

یہ سن کر وہ دونوں کہنے لگے۔

"خدا کی قسم تیرا خواب سچا ہے۔ اور ہمارا خواب خیال ثابت ہوا اور تیرا عین

بیداری۔ تو نے خواب سے کچھ حاصل کرلیا اور ہم محروم رہے۔" سامری نے ہنر سے حاصل کیا۔ مردود ہو گیا۔ قارون کو کیمیا سے کیا ملا؟ زمین میں غرق ہو گیا۔ ابوا لجہل ابوالحکم تھا مگر اسے اس سے کچھ نفع نہ ہوا اور الٹا دوزخ میں جا گرا۔

اے دلیل ما چو فکر ما ذلیل
نیستی ما پیش دانا یا قلیل

بادشاہ اور اسکے غلام

ایک بادشاہ کے پاس دو غلام آئے۔ جو حسن میں لا جواب اور ہر فن میں طاق تھے۔ خوش نویسی میں آقائے عماد۔ نظم میں نظامی' مصوری میں مانی و بہزاد' تدبیر میں نظام الملک' دانش و اخلاق میں ارسطو' حکمت اشتراق میں افلاطون' لغت میں جوہری نحو میں ابن حاجب اور رضی اور ابن اثیر ہندسہ میں قلیدس' حافظہ میں ابن سینا۔ طب حدیث فقہ' قرآن اور نسب' علم کلام اور سپہ گری' الغرض ہر علم و فن میں ید طولے حاصل تھا۔ ایک سے ایک بڑھ کر تھا۔

ان دو میں سے ایک کو گندہ ذہنی کا عارضہ تھا۔ اور دوسرے میں کوئی ظاہری عیب نہ تھا۔ بادشاہ دونوں پر یکساں مہربان رہا۔ ایک دن اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ ان کے باطنی کمالات کو آزمانا چاہیے۔ وہ گندہ ذہن غلام کو خلوت میں لے گیا۔ اور اس سے کہا کہ تیرا دوست تیری پیٹھ پیچھے بدگوئیاں کرتا ہے۔ تیری نسبت وہ چور گندہ ذہن جھوٹا۔ حقیر اور خدا جانے کتنے نا سزا کلمات بکتا ہے بادشاہ کی باتوں کو وہ بڑی توجہ سے سن کر بولا۔ میرا دوست تو بڑا با حیا ہے خوش خلق اور نیک آدمی ہے۔ مجھے اس جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ دوست میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو صاف منہ پر کہہ دیتا ہے میں نے بارہا آزمایا اور معلوم کیا ہے کہ وہ جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ ممکن ہے کہ مجھ میں یہ عیب ہوں۔ ورنہ وہ ایسا کہنے والا نہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے منہ بنا کر اس سے

کہا۔ دور ہو اور جا کر پس پردہ بیٹھ۔

اس کے بعد بادشاہ نے اس کے ساتھی غلام کو بلایا اور کہا کیا سبب ہے تیرا رفیق تجھ میں سدا عیب بیان کرتا ہے۔ وہ تجھے غدار، چور، کذاب اور مکار وغیرہ کہتا ہے یہ سن کر اس غلام کو بڑا غصہ آیا اور اس کے منہ سے جھاگ اٹھ کر فرش پر گر پڑی۔ اسی غضب کی حالت میں وہ گالیاں بکنے لگا۔ اور اس کے حسب و نسب کے بیسیوں عیب چھان ڈالے۔ بادشاہ نے سن کر کہا۔ بس خاموش۔ مجھے تیری خو معلوم ہو گئی۔ مجھے فقط یہ آزمانا تھا کہ تم دونوں میں سے پاک باطن کون ہے۔ پتہ لگ گیا کہ وہ پاک دل اور سعید ہے۔ اور تو پلید اور شیطان۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کا رتبہ بڑھایا اور اسے نظروں سے گرایا۔

جو شخص اپنے عیبوں پر نظر نہیں کرتا اور دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے وہ بیوقوف مغرور اور متکبر ہوتا ہے۔ بری صورت والا نیک سیرت انسان اچھی صورت والے بد سیرت آدمی سے ہزارہا درجہ بہتر ہے۔

کیا ہی خوب فرمایا حضرت رحمتہ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان اللہ لا ینظر الی صورتکم والکن ینظر الی قلوبکم

ترجمہ: خدا تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

ایک بد اعمال مسلمان اور اسکا دوست گبر

حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانے میں بسطام میں ایک گبر (آتش پرست) رہتا تھا۔ جس کی ایک مسلمان سے دوستی تھی۔ اس مسلمان کی کوئی بات اسلام کی نہ تھی۔ یعنی جن بری باتوں سے اسلام منع کرتا ہے وہ ان کا مرتکب اور جن کا حکم دیتا ہے۔ ان کے خلاف عامل تھا۔ ایک دن یہ مسلمان اپنے دوست گبر سے کہنے لگا کہ عذاب قبر سے ڈر اسلام قبول کر لے۔ خدا پر ایمان لے آ۔ آگ کی پرستش چھوڑ دے وہ تیری کیا مدد

کر سکتی ہے۔ اسے سو برس بھی پوجیں پھر بھی وہ دم میں جلا کر خاک کر دے۔ اسے دوست دشمن کی کچھ تمیز نہیں۔ جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے۔ وہ قیامت کے دن بغیر کسی سوال و جواب کے نار جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ خدا سے ڈر اور اس خالق پر ایمان لے آ۔ جس نے آگ کو پیدا کیا ہے شرک سے بد تر کوئی چیز نہیں۔

گبر بولا۔ میرے سامنے اسلام کے دو نمونے ہیں ایک تو شیخ بایزید" کا اسلام جس سے واقعی اس دین کی شان و عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہر کسی سے محبت حلال کھانا۔ حرام سے بچنا' کسی کی طرف غیر نظر سے نہ دیکھنا' ہر وقت اللہ اللہ کرنا' مگر افسوس مجھ میں اتنی قوت نہیں کہ میں ایسا ایمان کامل حاصل کروں۔ ایسے اسلام کا تو میں غلام ہوں۔ مگر دوسرا اسلام جو تو اپنے اعمال سے پیش کرتا ہے۔ اس سے تو کافر رہنا ہی بہتر ہے۔ نفس تو چاہتا ہے کہ تجھ جیسا بن جاؤں مگر ضمیر ملامت کرتا ہے کہ اس طرح کھیل کھیلنا اچھا نہیں۔

اسلام واقعی دین فطرت ہے ہر ذی شعور سلیم الفطرت انسان دل سے اس کا گرویدہ ہے۔ مگر افسوس! مسلمانوں کا غیر مسلموں کے خلاف رویہ اسلام سے بدظن کئے ہوئے ہے۔

ایک مکروہ آواز والا موذن

ایک موذن بڑا کریہہ صورت و بد آواز اس کی دل خراش آواز سے سب نالاں تھے۔ وہ رات کو جب بلند آواز سے اذان دیتا تو سننے والوں کی نیند حرام ہو جاتی۔ سروں میں درد ہونے لگ جاتا۔ بچے ڈر کر چونک پڑتے۔ محلہ والوں کی جان اس سے عذاب میں تھی۔ آخر تنگ آکر سب نے صلاح کی کہ اسے کسی بہانہ سے نکالنا چاہیے اس کے لیے چندہ جمع کیا گیا۔ اور بہت سا روپیہ اس کو دے کر عرض کیا کہ حضرت آپ بڑی خدمت کر چکے۔ اب کچھ عرصہ آرام کیجئے۔ قافلہ مکہ معظمہ جا رہا ہے جائیے حج کر

آیئے۔

موذن صاحب حج کو روانہ ہو گئے۔ راہ میں ایک گاؤں آیا جس میں زیادہ آبادی کافروں کی تھی۔ موذن صاحب بھلا کب چپ رہنے والے تھے۔ گاؤں کے درمیان کھڑے ہو کر اذان دی۔ آپ کو ابھی تک یہ زعم فاسد تھا کہ میں بڑا خوش آواز ہوں۔ جب اذان دے کر یہ اپنے ڈیرے پر پہنچے تو دوسرے دن گاؤں کا ایک مجوسی مٹھائی کپڑے اور روپیہ لے کر تلاش کرتا ہوا آپہنچا۔ اور پوچھا وہ صاحب کہاں ہیں۔ جنہوں نے کل اذان دی تھی۔ پوچھا گیا کہو کیا کام ہے۔ بولا میں ان کا بڑا شکر گزار ہوں۔ میں ان کے لیے یہ ہدیہ لایا ہوں۔ یہ سن کر سب حیران رہ گئے کہ یہ شخص بھی عجیب الٹی کھوپڑی کا انسان ہے۔ کہ ایسی بری آواز پر مست ہو گیا۔ اس نے ان کو زیادہ دیر حیران رکھنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ میری ایک بیٹی ہے بڑی ذہین اس کی مدت سے آرزو تھی کہ مسلمان ہو جائے۔ ہم اسے ہر طرح سمجھاتے رہے کہ یہ خیال چھوڑ دو اور اپنے باپ دادا کا مذہب نہ چھوڑو۔ مگر اسے کوئی نصیحت کارگر نہ ہوتی تھی۔ اسلام کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ ہم اس غم سے دل ہی دل میں جل رہے تھے۔ کہ اس موذن نے اذان دے دی۔ لڑکی نے پوچھا کہ یہ کس کی مکروہ آواز ہے میں نے ایسی کریہہ آواز عمر بھر نہیں سنی۔ اس کی بہن نے کہا یہ اذان مسلمانوں کا مذہبی شعار ہے۔ اسے یقین نہ آیا۔ دوسروں سے پوچھا۔ تو بھی یہی جواب ملا کہ واقعی یہ اذان مومنوں کی دینی علامت ہے۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ حقیقت یہی ہے تو اس کا رنگ رخ زرد ہو گیا اور ہمارا دل سرد ہو گیا۔ ہم تشویش و عذاب سے چھوٹ گئے۔ اور رات اطمینان سے سوئے۔ ہمیں واقعی اس کی آواز سے راحت پہنچی۔ اے ہمارے محسن موذن! یہ ہدیہ قبول فرما۔ ہم تیرے احسان سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے تو ہمارا مددگار ہے کیونکہ تیرے طفیل لڑکی مشرف بہ اسلام ہونے سے رک گئی۔

آج کل مسلمان جو اپنا نمونہ دکھا رہے ہیں اس سے دوسری قوموں کو بجائے محبت کے نفرت ہوتی ہے۔

حضرت لقمان کے خواجہ تاش اور میوہ کی چوری

لقمان حکیم عقل کے روشن اور رنگ کے سیاہ تھے۔ زمانہ کے دستور کے مطابق وہ ایک لڑائی میں گرفتار ہو کر غلام بن گئے۔ بکتے بکتے ایک تاجر کے پاس پہنچے۔ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ لقمان ہیں۔ اس نے آپ کو مزدوری پر لگا دیا۔ وہ آپ سے گارا بنانے کا کام لیتا تھا۔ ایک دن تاجر نے اپنے سب غلاموں کو باغ میں میوہ چننے بھیجا۔ وہ سب میوہ چن کر کھا گئے۔ اور لقمان کا نام لے دیا۔ آقا بڑا غصے ہوا۔ لقمان نے کہا اگر مجھ پر الزام ثابت ہو تو بے شک میں قابل سزا ہوں چوری معلوم کرنے کی ایک تجویز میں بتا دیتا ہوں۔ اگر آپ اصل مجرموں کو پکڑنا چاہیں تو اس پر عمل کریں۔ تاجر نے پوچھا۔ کس طرح لقمان نے عرض کیا۔ آقا پانی میں لہسن کی پوتھی ڈال کر اسے ابالیے اور وہ ابلا ہوا گرم گرم پانی سب کو پلا کر حکم دیجئے کہ ایک گھنٹہ کھیت میں دوڑیں۔ اس طرح قے آئے گی اور جو کچھ کسی نے کھایا ہو گا ظاہر ہو جائے گا۔

آقا نے کہا یہ تجربہ تو آسان ہے فوراً اس نے لہسن منگایا اور اس کا ابلا ہوا پانی سب کو پلا کر دوڑایا۔ جب قے کرنے لگے تو سوائے لقمان کے سب کے پیٹ سے میوہ نکلا آقا نے سب غلاموں کو سزا دی اور لقمان سے معافی مانگتے ہوئے کہا کہ میں نے نا سمجھی سے جو آپ کو نہ پہچانا وہ میری خطا تھی۔ للہ اسے معاف کر دیجئے۔ آئندہ گھر کا سب انتظام آپ کے سپرد ہے۔ آپ سیاہ و سفید کے مالک ہیں جو چاہیں کریں میں کچھ دخل نہ دونگا۔

جس طرح لقمان کی حکمت سے چوری چھپے پیٹ میں ڈالا ہوا میوہ ظاہر ہو گیا۔ اسی طرح روز جزا سب کا حلال و حرام کھایا اور کمایا ظاہر ہو جائے گا۔ یہ خدائے عالم

الغیب کی شان ستاری ہے کہ وہ ہمیں رسوا نہیں کرتا۔ ورنہ ہمارے سب افعال اس کی نظر میں ہیں۔

لقمان اور تلخ خربوزہ

لقمان کو گردش زمانہ سے غلام بننا پڑا۔ مگر آقا آپ کی دانائی دیکھ کر آپ کا غلام بن گیا۔ کبھی کوئی چیز نہ کھاتا جب تک کہ آپ اسے نہ دیتے۔ پھر جب کھانے لگتا پہلے لقمان کو کھلاتا وہ فخرا کہا کرتا تھا کہ میں لقمان کا الش خورد (جھوٹا کھانے والا) ہوں۔ ایک دن کوئی شخص لقمان کے آقا کے پاس ایک خربوزہ بطور سوغات لایا۔ لقمان پاس نہ تھے۔ نوکر سے کہا کہ انہیں بلا لا۔ جب وہ آئے۔ آقا نے ایک قاش (پھانک) کاٹ کر انہیں دی۔ لقمان نے جو اس کے کھانے میں رغبت ظاہر کی۔ آقا نے خوشی سے سارا خربوزہ چیر کر انہیں کھلا دیا۔ صرف آخری ایک قاش اپنے منہ میں ڈالی۔ مگر چکھتے ہی اسے اگل دیا۔ کیونکہ وہ بڑی تلخ اور تند تھی۔ اس سے اسکی زبان میں آبلہ پڑ گیا۔

آقا نے لقمان سے کہا کہ میں بڑا حیران ہوں کہ تم اتنا کڑوا زہر کھاتے رہے۔ اور نہ کہا کہ یہ کھانے کے قابل نہیں میں نہیں کھاتا۔ لقمان بولے آقا! آپ مجھے خوشی سے کھلا رہے تھے مجھے شرم آئی کہ میں آپ کی مسرت کو روکوں۔ علاوہ ازیں میں نے آپ کے ہاتھ سے ہزاروں نعمتیں لے کر اسے کھائی ہیں۔ میں نے ایک تلخ چیز چکھ کر یہ کہنا مناسب نہ سمجھا کہ آقا میں اسے نہیں کھا سکتا۔ یہ کھانے کے لائق نہیں۔

انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہزاروں نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی تلخی کی شکایت کرے تو اس کے سر پر خاک۔

حضرت بایزیدؒ اور گستاخ مرید کا حشر

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک رات عالم بے خودی میں کہہ دیا لا الہ الا انا فاعبدون یعنی خدا میں ہوں میری پرستش کرو۔ صبح جو اٹھے تو مریدوں نے عرض کیا حضرت! رات آپ نے یہ کلمہ منہ سے نکالا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے پھر یہ کہتا سنو تو فوراً چھریاں لیکر مجھے پارہ پارہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ تو جسم سے پاک ہے اور میں جسم رکھتا ہوں۔ اگر میں انی انا اللہ کہوں تو مجھے قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ایک دفعہ پھر بایزیدؒ پر وہی حالت وارد ہو گئی۔ عشق نے غلبہ کیا تو عقل گم ہو گئی۔ صبح آئی تو شمع کی ہستی مٹ گئی عقل کا تھانیدار عشق کے بادشاہ کے سامنے کہاں ٹھہر سکتا ہے۔ عقل کا سایہ آفتاب حق کے سامنے کہاں قائم رہ سکتا ہے۔ آدمی پر جب پری کا سایہ ہو جاتا ہے تو اس سے آدمیوں کا وصف گم ہو جاتا ہے اب جو وہ کہتا ہے پری نے کہا ہوتا ہے جب وہ ہوش میں آتا ہے تو نہیں بتا سکتا کہ اس کے منہ سے کیا باتیں نکلتی رہیں۔ پس وہ خدا جو جن وانس کا خالق ہے جس پر اپنا جلوہ ڈال دے وہ پری کے اثر سے کم متاثر نہیں ہو سکتا۔

یہ سن کر مرید دیوانہ وار جھپٹے اور لگے آپ کے پاک جسم میں چھریاں مارنے۔ مگر آپ کے جسم کے جس مقام پر کوئی چھری چلاتا اس کے جسم کا وہی حصہ کٹ جاتا۔ شیخ کے جسم پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ جس نے گلے پر خنجر چلایا اس کا گلا کٹ گیا۔ جس نے سینہ پر چھری کا وار کیا چھری اس کے سینہ سے پار ہو گئی۔ الغرض سب حملہ آور مرید اپنے ہاتھوں مارے گئے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے فرش ان کے خون سے سرخ ہو گیا۔

صبح ہوئی تو مقتولین کے متعلقین نالہ و زاری کرتے ہوئے شیخ کے گرد آ جمع ہوئے۔ اور ان کے شاگردوں کی بے وقوفی پر افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر شیخؒ کا جسم لوگوں کے جسموں کی طرح ہوتا تو کٹاریوں سے کٹ جاتا۔

یعنی جو شخص فنافی اللہ بزرگوں پر حملہ کرتا ہے ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ گستاخ

خود ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ آئینہ کے سامنے تلوار کھینچ کر بڑھو تو ثابت ہو جائیگا کہ تم آئینہ پر نہیں بلکہ اپنے آپ پر تلوار مار رہے ہو۔ بزرگان دین رونما شیشے کی طرح ہیں جس کو وہ اچھے نظر آتے ہیں وہ خود اچھا ہے اور جس کو وہ برے نظر آتے ہے وہ خود برا ہے۔ ان کے جسم صافی میں اسے اپنی مکروہ بھونڈی صورت دکھائی دیتی ہے

حضرت ذوالنون مصریؒ اور امتحان وفا

VNB

مصر میں ایک ولی ذوالنون نامی اپنے وقت کے قطب اور امام تھے۔ ان کے دل میں ایک دفعہ شور اٹھا۔ اپنا گریبان چاک کر دیا۔ عمامہ پھینک دیا۔ جبہ شق کر دیا۔ خرقہ اور تسبیح سے منہ موڑ لیا۔ اور مدرسہ و خانقاہ کو چھوڑ کر بازاروں میں ہو ہا کرنے لگے۔ ان کے شور سے لوگ تنگ آگئے۔ حاکم وقت کے پاس جا کر شکایت کی۔ اس نے مجبوراً قید کا حکم دیا۔ جب قید خانہ کی طرف لے چلے تو آپ کے شاگرد اور مرید روتے ہوئے پیچھے پیچھے روانہ ہو لئے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے کامل ولی پر جنون کا غلبہ ہو۔ اس میں ضرور کچھ بھید ہے۔ خلقت آپ کے اوقات میں خلل انداز ہوتی تھی۔ آپ نے یکسوئی حاصل کرنے کے لیے یہ حیلہ کیا ہے۔

چند منہ چڑھے ادب کو بالائے طاق رکھ کر آگے بڑھے اور عرض کرنے لگے یا حضرت! ہم آپ کے صادق محب اور دوست ہیں۔ آپ کی ایسی حالت سے ہمارا دل کڑھتا ہے۔ فرمایئے اس میں کیا راز ہے۔ آپ نے سوچا کہ یہ لوگ بھید معلوم کر کے پھر مجھے پھنسانا چاہتے ہیں آؤ ان کی وفاداری اور محبت کو آزمائیں۔ آپ نے ایک ڈھیلا اٹھا کر اس زور سے ایک کے رسید کیا کہ وہ غش کھا کر گر پڑا۔ دوسرے کی پیٹھ پر لاٹھی کسی جس کی ضرب سے اس کی جانکنی کی سی حالت ہو گئی تیسرے کی ران پر لات مار کر اسے گرا دیا یہ گت بنتی دیکھ کر سب مرید بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت ذولنون مصریؒ نے جب ان کو یوں بھاگتے دیکھا تو آپ قہقہہ مار کر ہنسے اور فرمایا یہ ہیں تیرے

فدا کار یار۔ ان کی وفا اور الفت کے دعوے سن چکے۔ اب ان کی وحشت اور دغا بھی دیکھ لو۔

زر کی حقیقت آگ سے کھلتی ہے اور دوست کی مصیبت کے وقت۔

شیخ احمد خضرویہؒ کی سخاوت

شیخ احمد خضرویہ جہاں رسیدہ بزرگ بڑے دریا دل تھے غریبوں کی امداد میں وہ قرض اٹھانے سے بھی دریغ نہ کرتے اور ہدیہ وصول ہونے پر پائی پائی چکا دیتے۔ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ بازاروں میں فرشتہ پکارتا رہتا ہے کہ اے خدا سخیوں کو تو رزق پر رزق دے اور بخیلوں کا مال تلف کر۔

جب شیخ موصوف مرض موت میں گرفتار ہوئے تو ان کے سر چار سو دینار قرض تھا۔ قرض خواہوں کو فکر ہوئی کہ یہ تو فوت ہو رہے ہیں چلو ان سے قرض وصول کریں۔ شیخ کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ دام داروں نے سختی سے تقاضا شروع کیا۔ نا امیدی سے ان کے دل بیٹھے جاتے تھے۔ اور درد اٹھ رہا تھا۔ شیخ نے کہا ان بدگمانوں کو دیکھو کیا یہ جانتے ہیں کہ خدا چار سو دینار نہیں بھیج سکتا۔ اسی اثنا میں ایک لڑکا حلوے کا خوان اٹھائے بیچنے کے لیے آگیا۔ شیخ نے خادم کو اشارہ کیا کہ سارا حلوہ خرید لو اور قرض خواہوں کے سامنے رکھ دو۔

نصف دینار پر حلوے کا سودا ہو گیا۔ اور شیخ نے دام داروں کو اشارہ کیا کہ یہ حلوہ تمہارے لئے حلال ہے کھاؤ۔ چنانچہ وہ فوراً چٹ کر گئے۔ لڑکے نے کہا شیخ قیمت ادا کرو۔ شیخ نے فرمایا لڑکے میں تو پہلے ہی قرضدار ہوں تجھے کہاں سے دوں۔ میں تو مر رہا ہوں۔ لڑکے نے غم و غصہ کھا کر برتن زمین پر دے مارا اور کہنے لگا۔ یہ دیکھو صوفیوں کا حال کتوں کی طرح حریص اور بلیوں کی طرح منہ صاف کرنے والے۔ لوگو آؤ مجھ پر کیا ظلم ہو رہا ہے۔ مجھے تو استاد مار ڈالے گا۔ غوغا سن کر خلقت جمع ہو گئی۔ قرض

خواہوں نے چلانا شروع کر دیا۔ اور کہا واہ شیخ ہمارا مال بھی اڑا گئے۔ اور اس غریب لڑکے کو بھی لوٹ لیا۔ شیخ ان کی بکواس سن کر چپ تھے۔ منہ لحاف میں چھپا کر لیٹ رہے۔

قرض خواہ شور مچاتے رہے اور لڑکا رو رہا تھا۔ کہ ایک ارادت مند کی طرف سے ایک خوان آیا۔ جس میں پورے چار سو دینار تھے۔ اور ایک کاغذ میں نیم دینار الگ لپٹا ہوا تھا۔ شیخ نے فرمایا آؤ وام دارو آؤ اور پائی پائی وصول کر لو۔ خدا نے مجھے تم سے اور حلوہ فروش لڑکے سے سرخرو کیا۔

قرض خواہ بہت شرمندہ ہوئے اور پکارے اے خداوندان راز کے خداوند یہ کیا بھید تھا۔ ہم اندھے اور بہرے تھے ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے بڑی فضول باتیں کی ہیں۔ ہم نے اندھوں کی طرح لاٹھی چلا کر قندیلوں کو توڑ دیا۔ ہم نے حضرت موسیٰؑ کے قصے سے بھی نصیحت نہیں پکڑی اور خضرؑ کی صحبت سے محروم ہو گئے۔

شیخ نے فرمایا میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ یہ مشکل لڑکے کی گریہ و زاری سے آسان ہوئی۔ اسی کے رونے سے خدا کی بخشش کا دریا جوش میں آیا۔ اور قرض ادا ہو گیا۔ یعنی خدا کی درگاہ میں گڑگڑا کر رونا حصول مراد کی ضمانت ہے۔

ایک بے نوا کا اللہ سے شکوہ

ہرات کا نواب عماد الملک بڑی خوبیوں کا آدمی تھا۔ اس کی خوش اخلاقی اور فیاضی کی وجہ سے رعایا، مسافر، تاجر اور اہل حرفہ الغرض تمام لوگ خوش تھے۔ وہ بادشاہ وقت کا وفادار تھا۔ اس لیے بادشاہ کا بھی اس پر اعتبار تھا۔ عماد الملک کے پانچ سو وفادار غلام تھے۔ جن کو وہ بیٹوں کی طرح آرام اور زیب و زینت سے رکھتا تھا۔ ان کی گردنوں میں زریں طوق اور سروں پر جواہر سے جڑے تاج تھے۔ اطلس اور کمخواب کی قبائیں اور ان پر گنگا جمنی پٹیاں ان کی شان دوبالا کئے دیتی تھیں۔

ان شاندار غلاموں کی ٹولیاں شہر میں پھر رہی تھیں کہ ایک غریب مفلس قلاش شخص جو بھوکا اور ننگا تھا نے ان کو دیکھ لیا۔ پوچھا یہ رئیس زادے کون ہیں؟ جواب ملا یہ ہرات کے نواب کے نوکر چاکر ہیں۔ وہ یہ سن کر حیران رہ گیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔ "اے خدا! اپنے اس بے نوا دبلے پتلے بندے کو دیکھ کہ سردی کے مارے دانت بجتے اور بھوک سے آنتیں قل ھواللہ پڑھ رہی ہیں اور عماد الملک بندہ پرور کے بندوں کو بھی دیکھ کر کتنے موٹے تازے خوش پوش اور با احتشام ہیں۔ خوشی، بے فکری، اور فارغ البالی سے ادھر ادھر اتراتے پھرتے ہیں۔ یا اللہ بندہ پروری عماد الملک سے سیکھ (نعوذ باللہ) خالق اور مالک ہونا اور بات ہے مگر بندہ پرور بننا آسان نہیں۔

تقدیر الٰہی سے عماد الملک کے عروج کا ستارہ زوال پذیر ہو گیا بادشاہ نے اس کو قید کر دیا۔ اور اس کے اموال و املاک کو ضبط کر لیا۔ اس کے وفادار نوکروں کو شکنجوں میں دے کر عذابوں سے مار ڈالا۔ صرف اس خطا پر کہ وہ کیوں اپنے آقا کا بھید ظاہر نہیں کرتے درد اور کرب سے تڑپ تڑپ کر جانیں دیں مگر کسی ایک نے بھی اپنے مہربان اور پیارے آقا کے دفینوں کا راز نہ بتایا۔ یہ سب کچھ اس منہ پھٹ بینوا کے سامنے ہوا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گیا۔ اسی عالم بیہوشی میں ہاتف نے اس کے کان میں آواز دی کہ اے خدا پر طعن کرنیوالے۔ غلاموں کی وفاداری دیکھ اور سوچ کہ تو جس کا بندہ کہلاتا ہے تو بھی اسکا ایسا ہی جاں نثار اور وفادار ہے۔

بچوں کی موت پر صبر کرنے والی ماں

ایک عورت ہر سال بچہ جنتی تھی مگر وہ ولادت سے دو ماہ بعد مر جاتا اسی طرح بیس (20) بچے اس کی گود خالی کر کے اللہ میاں کے گھر پہنچے۔ بیسواں بچہ مرنے پر اسے بڑا صدمہ ہوا۔ اور وہ غم سے بے خود ہو کر بول اٹھی کہ اے اللہ! تیری دہائی۔ لونڈی

سے کیا تقصیر ہوئی کہ سال میں نو مہینے محنت اٹھاتی ہے اور صرف دو ماہ خوشی دیکھتی ہے۔ امید کا درخت جب پھل لاتا ہے۔ تو صرف دو مہینے اس کی بہار دیکھنا نصیب ہوتی ہے۔ میرے باغ مراد میں (20) پھول کھلے مگر میں نے سیر ہو کر ایک کی بھی دید نہ کی۔ آئے دن مجھے غم کی ہول لگی رہتی ہے۔ میرا کوئی بچہ پروان نہ چڑھا۔ نہ میں نے کسی کو بنا بنتے دیکھا نہ بنی یہ کہتے ہی اس کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہو گئے اور روتے روتے سو گئی۔

خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ ایک ایسا شگفتہ پر بہار چمن ہے۔ جس پر دنیا کے تمام باغ نثار ہوں یہ جنت تھی جو اسے دکھائی گئی۔ جنت کو باغ سے نسبت دینا ویسا ہی ہے جیسا کہ نور خالق کی شمع سے مثال پیش کرنا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ دنیا میں جنت کی مثل کوئی چیز ہے نہ خدا کی طرح کوئی شے صرف ایک خیال دلانے کے لیے ان چیزوں کو بطور مثال پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس عورت نے خواب میں دیکھا کہ چمن کے اندر ایک محل ہے جو چاندی اور سونے کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ اور اینٹیں مشک اور کافور سے چنی ہوئی ہیں۔ اس محل پر موٹے حروف میں۔ اس عورت کا نام لکھا ہے۔ اس کے اندر جا کر عورت نے دیکھا کہ اس میں سب طرح کی نعمتیں موجود ہیں۔ اسے وہاں اپنے سب بچے بھی مل گئے۔ جو اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ ایک فرشتے نے اس عورت سے کہا تو نے جو بچوں کے مرنے پر صبر کیا تھا یہ اس کا اجر ہے۔ کہ خدا نے تیرے لیے عالیشان مکان بہشت میں بنایا ہے۔ جہاں تیرے سارے بچے بھی موجود ہیں۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئی تو اس کا تمام ملال جاتا رہا۔ کیونکہ اس نے سمجھ لیا کہ چند روزہ زندگی کے بعد اسے بہت اچھا ٹھکانہ ملنے والا ہے۔ اور چند دن کے فراق سے اپنے بچوں سے دائمی ملاقات ہونے والی ہے۔

جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے اللہ اسے بڑا اجر دیتا ہے۔

دشمن کو نیک مشورہ

ایک دانا آدمی پر ایک دفعہ ناگہاں مصیبت آپڑی۔ اس سے بچنے کے لیے اس نے بہت سے حیلے بہانے سوچے مگر کوئی کارگر حیلہ نہ سوجھا اور چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ ناچار وہ ایک شخص کے پاس گیا۔ اور اس سے پوچھا کہ مصیبت کے وقت اس سے بچنے کی کوئی ترکیب بتاؤ اس نے جواب دیا تم بھی عجیب سادہ لوح ہو۔ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ میں تیرا دشمن ہوں۔ اور تو اپنا بھید مجھے بتاتا ہے۔ جا اور کسی ایسے شخص سے مشورہ کر جو تیرا دوست ہو اور نیک صلاح دے۔

مصیبت زدہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں تو میرا دشمن ہے مگر افسوس مجھے کوئی عقل مند دوست نہیں ملتا مجھے یقین ہے تو جو مشورہ دے گا وہ مفید ہو گا۔ اگر تیرا نفس مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو تیری عقل اس پر غالب آجائیگی۔

حضرت رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ مستشار (صلاح دینے والا) کو موتمن (امانتدار) ہونا چاہیے۔ اگر دشمن بھی آکر صلاح لے تو چاہیے کہ صلاح نیک ہی دے۔

زمین کھودنے پر ایک بے وقوف کا اعتراض

دہقان کدال لے کر زمین کھود رہا تھا۔ ایک بے وقوف پاس سے گزرا اور کہنے لگا اے کسان! تم کیسے ظالم ہو کہ ہموار زمین کو خراب کر رہے ہو۔ دہقان بولا۔ بیوقوف۔ جا اپنا کام کر تجھے اتنی بھی خبر نہیں کہ ہر ویرانی میں آبادی ہے۔ ارے اگر میں زمین کے سینے کو ہل سے نہ چیروں اور اس کے ڈھیلوں کو کدال سے ریزہ ریزہ نہ کروں تو یہ بیج کس طرح قبول کرے گی یہ جو گل و گلزار نظر آرہے ہیں۔ یہ زمین کی ویرانی ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔

اگر زمین کو کھودا نہ جائے تو بیل بوٹے کس طرح اگیں۔ مٹی کھودنے سے قطع نظر اگر تم اور معاملات پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ہر خرابی میں آبادی اور ہر تکلیف میں راحت ہے۔ مثلاً جب تک سربستہ پھوڑے (چغر) کا منہ نہ چیریں مواد خارج ہو کر جسم تندرست نہیں ہو سکتا۔ جب تک خلطوں کو دوا سے نہ جلائیں سوزش کس طرح دور ہو سکتی ہے۔ اور شفا کیسے حاصل ہو۔ جب تک درزی کپڑے کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کرے پوشاک تیار نہیں ہو سکتی۔ جب تک بڑھئی لکڑی اور لوہار لوہے کو نہ کاٹیں۔ مفید طلب اشیاء نہیں بن سکتیں۔ جب تک دواؤں کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ نہ کر دیں دوائیں نہیں بنا سکتے۔ قصاب جب تک بکری کو چیر پھاڑ کر قیمہ نہ کر دے کوفتے وغیرہ تیار نہیں ہو سکتے۔ جب تک گندم کو چکی میں نہ پیسا جائے کھانا تیار نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ ہر آبادی کے لئے اول ویرانی ضروری ہے۔

ایک نحوی اور ملاح کی گفتگو

ایک نحوی (علم نحو کا عالم) کشتی پر سوار تھا۔ جب کشتی باد موافق کے سہارے مزے سے دریا پر تیرتی جا رہی تھی نحوی نے ملاح سے باتیں کرنا شروع کر دیں اور پوچھا بھائی ملاح! بتا تو سہی تو نے کچھ علم نحو پڑھا ہے؟ کشتی بان نے کہا۔ مولوی صاحب نحو کیا چیز ہے؟ میں نے تو آج تک اس کا نام بھی نہیں سنا۔ نحوی بولا واہ رے میاں ملاح تو نے تو یونہی اپنی آدھی عمر برباد کر دی۔ ارے جو شخص نحو سے واقف نہیں وہ انسان نہیں حیوان ہے۔ ناخدا یہ سن کر بہت سٹ پٹایا اور لاجواب ہو کر چپ ہو رہا۔
جب کشتی عین دریا کے وسط میں جا رہی تھی۔ تو قضا کار باد مخالف زور سے چلنے لگی۔ کہ سب کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ کشتی کا بسلامت کنارے پر لگنا ناممکن نظر آنے لگا۔ ملاح نے کہا بھائیو! کشتی بچتی نظر نہیں آتی تیر کر پار اترنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پھر نحوی صاحب سے پوچھا! حضرت آپ کچھ تیرنا بھی جانتے ہیں۔ جواب ملا کہ ہم

تو ساری عمر علم پڑھتے رہے۔ ایسی باتوں کی طرف کبھی (دھیان) خیال ہی نہیں ہوا۔
کشتی بان طنز سے بولا پھر آپ نے ساری عمر یونہی برباد کی۔ یہاں فن شناوری کام آسکتا
ہے۔ علم نحو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا۔

اس حکایت سے ان علماء کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ جو کوئی کسب کوئی فن کوئی
ہنر نہیں سیکھتے اور فقط ادھورا علم عربی یا فارسی پڑھ کر لوگوں کے محتاج بن جاتے ہیں۔
اگر وہ ساتھ ہی کوئی کسب بھی سیکھ لیں تو سونے پر سہاگہ ہو جائے۔ دوسروں کی محتاجی
نہ رہے۔ اور دلوں پر بے غرضانہ باتوں کا اثر بھی نہ ہو۔

ایک واعظ کا عمامہ اور اچکا

ایک واعظ صاحب بڑا خوبصورت جبہ اور قبا نما عمامہ پہنے ہوئے ممبر پر تشریف
لائے۔ آپ خوب سر مٹکاتے تھے۔ یہ قبانما عمامہ صرف ظاہر میں خوبصورت تھا اندر
سے وہ ایسا ہی زشت تھا۔ جیسے منافق کا دل کہ دیکھنے میں خوبصورت ٹیپ ٹاپ مگر باطن
میں سراسر پاپ۔ واعظ کی پگڑی نہ تھی بلکہ کبر کا ایک طلسم تھا۔ جس میں رعونت بھری
ہوئی تھی۔

یہ واعظ صاحب صبح کے وقت ایک کوچہ سے گزر رہے تھے وہاں ایک اچکا
گھات لگائے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں اندھوں کی طرح لاٹھی لئے ہوئے۔ یہ پاس سے
گزرے تو وہ ایک جھپٹا مار کر دستار بازار کی طرف لے اڑا۔ وہ خوشی سے اس طرح
دوڑا جا رہا تھا۔ کہ گویا اسے سونے کی کان ہاتھ لگ گئی ہے۔

واعظ نے پکار کر کہا۔ او میاں جانے والے۔ عمامہ کو کھول کر تو دیکھ کہ یہ کیا چیز
ہے۔ تو کھول کر اس کا حال ملاحظہ کر پھر جائے تو تجھے حلال ہے۔ اچکے نے جو اسے
کھولا تو اس میں سے دھجیاں اور چیتھڑے گرنے لگے۔ ہاتھ میں صرف ایک کمخواب کا
پرانا پارچہ رہ گیا۔ اسی میں کسی استاد درزی نے چیتھڑے بھر کر اسے نمائشی عمامہ بنا دیا

تھا۔ چور نے اسے (نمائشی عمامہ کو) بھی زور سے زمیں پر دے مارا۔ اور کہا مولوی! تو تو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والا ہے۔ خدا سے ڈر اور دھوکہ بازی چھوڑ دے۔ خلقت کا ایمان کیوں ٹھگتا ہے۔ یہ عمامہ تجھی کو مبارک ہو۔ ہم تو خیر بد نام تھے ہی مگر تو تو ہمارا گرو گنٹھال نکلا۔

آدمی کو چاہیے کہ ظاہر و باطن ایک رکھے۔ ہاتھ میں تسبیح ہو اور لب پر توبہ مگر دل ذوق گناہ سے پر ہو۔ تو یہ ریا کاری اور عیاری ہے۔

خونخوار ترک ایک گاؤں میں

ترکوں کا ایک خونخوار گروہ لوٹ مار کرتا ہوا ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ وہاں انہوں نے دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ ایک کے ہاتھ باندھ کر اسے قتل کرنے لگے۔ اس نے پوچھا صاحبو! مجھے آپ کس لئے قتل کرتے ہیں۔ میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ آپ میرے خون کے پیاسے کیوں ہیں؟ میں ایک درویش آدمی ہوں۔ تن پر کپڑا نہیں پلے پیسہ نہیں مجھے مارنے سے آپ کو کیا حاصل ہو گا؟ انہوں نے جواب دیا ہم تجھے اس لئے قتل کرتے ہیں تاکہ تیرا ساتھی ہیبت زدہ ہو کر مال نکال دے اس نے یہ سن کر کہا کہ میرا ساتھی تو مجھ سے بھی زیادہ مسکین ہے۔ وہ روپیہ کہاں سے نکالے گا۔ ترکوں نے کہا کہ ہمیں مخبر نے اطلاع دی ہے کہ وہ مالدار ہے وہ مشکیں کسا ہوا شخص بولا ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔ اگر وہ مالدار ہے تو میں بھی مالدار ہوں۔ آپ کے نزدیک ہم دونوں احتمال اور شک کے مقام پر ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس مخبر کو ہمارے سامنے قتل کر دو۔ تاکہ ہم دونوں خوفزدہ ہو کر مال پیش کر دیں۔

مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ اے امت محمدیہ اللہ کے کرم کا شکر کر کہ اس نے تجھے آخری امت بنایا ہے۔ تیرے سامنے حضرت نوحؑ اور ہودؑ کی قوم کی ہلاکت کی عبرت خیز تاریخ موجود ہے تو اس سے عبرت حاصل کر اور ان گناہوں سے باز آجو ان اقوام

کی تباہی کا موجب بنے۔

ایک شخص اور طبیب کا مکالمہ

ایک بوڑھا شخص طبیب کے پاس آیا اور ان میں سلسلہ سوال و جواب یوں شروع ہوا۔

بوڑھا۔ میں اپنے دماغ کی کمزوری سے بڑا حیران ہوا۔

طبیب۔ ضعف دماغ بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔

بوڑھا۔ میری نظر کمزور ہو گئی ہے۔

طبیب۔ ضعف بصارت پیری کی وجہ سے ہے۔

بوڑھا۔ میری پشت میں درد رہتا ہے۔

طبیب۔ اے شیخ! یہ بھی پیری ہی کی وجہ سے ہے۔

بوڑھا۔ جو کچھ میں کھاتا ہوں۔ اس سے طاقت پیدا نہیں ہوتی۔

طبیب۔ اس کا سبب بھی پیری ہے۔

بوڑھا۔ میں بات کرتا ہوں تو سانس پھول جاتی ہے۔

طبیب۔ جب بڑھاپا ہوتا ہے تو کئی روگ لگ جاتے ہیں۔

بوڑھا۔ میری طاقت مردی بہت کم ہو گئی ہے۔

طبیب۔ یہ بیچارگی بھی پیری کے سبب سے ہے۔

بوڑھا۔ میرے پاؤں سست ہو گئے ہیں۔ اور میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا۔

طبیب۔ جب بڑھاپا آتا ہے تو آدمی کو گوشہ نشین بننا پڑتا ہے۔

بوڑھا۔ میری پیٹھ کمان کی طرح دوہری ہو گئی ہے۔

طبیب۔ اس رنج اور تکلیف کا باعث بھی بڑھاپا ہے۔

○# ہر سوال کا ایک ہی جواب سن کر بوڑھا بہت سٹ پٹایا اور بولا۔ اے احمق! تو

نے میاں مٹھو کی طرح ایک ہی بات سیکھی ہے۔
طبیب نے کہا اے بوڑھے! تیرا یہ غضب اور غصہ بھی پیری ہی کی وجہ سے ہے۔

قبر کا حال اور اجڑے گھر کا خیال

ایک لڑکا اپنے باپ کی میت کے ساتھ روتا پیٹتا جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے باپ تجھے لے جا رہے ہیں کہ مٹی کے نیچے دبا دیں تجھے ایسے تنگ و تاریک مکان میں لے جا کر ڈال دیں گے جہاں نہ فرش نہ بوریا نہ رات کو چراغ ہے نہ دن کو روٹی۔ اس اجڑے گھر کا نہ دروازہ ہے۔ نہ چھت نہ مہمان کے لئے پانی ہے۔ نہ کوئی ہمسایہ جو مدد کرے۔ تیرا جسم جس کو آ آ کر لوگ چومتے تھے ایسے اندھیرے گھر میں کس طرح رہے گا۔ ایسے بے پناہ اور تنگ مکان میں تیرا رنگ و روغن سب اجڑ جائیگا۔ وہ لڑکا اس گھر کے متعلق ایسی ایسی باتیں کہہ رہا تھا اور رو رہا تھا۔
ایک غریب آدمی کے بیٹے نے یہ باتیں سن کر اپنے باپ سے کہا۔ خدا کی قسم یہ میت ہمارے گھر کو جا رہی ہے۔ باپ نے کہا۔ اے بیٹا بیوقوف نہ بن۔ اس نے جواب دیا۔ اے بابا! نشانیاں تو سن جو وہ بتا رہا ہے۔ سب کی سب ہمارے گھر پر درست بیٹھتی ہیں۔ یہ ہمارا ہی گھر ہے۔ جس میں نہ بوریا ہے نہ دیا نہ کھانا اس کا دروازہ ہے نہ چھت۔

ایک چراغ والا انسان کی تلاش میں

ایک شخص ہاتھ میں چراغ لئے ہوئے ہر آتے جاتے کا منہ دیکھتا پھرتا تھا۔ اسی شغل میں ہر کوچہ و بازار چھان مارا۔ ایک شخص نے پوچھا۔ کہ تجھے کس کی تلاش ہے۔

اس نے کہا کہ میں انسان کی جستجو میں ہوں۔ کاش کوئی مل جائے۔ سوال کرنے والے نے کہا ذرا اپنی آنکھیں مل کر غور سے دیکھ تیری نظر میں نقص ہے۔ یہ چلتے پھرتے سب انسان ہی تو ہیں اس نے کہا یہ صرف نام کے انسان ہیں۔ کام کے نہیں مجھے ایسے آدمی کی تلاش ہے جو احسان کرے اور نہ جتائے۔ جو کسی خواہش کا غلام نہ ہو بلکہ اس کو اپنے قابو میں رکھے۔ مجھے ان اوصاف کے انسان کی جستجو ہے۔ ورنہ یوں تو انسان پھرتے ہیں۔

ایک بخیل اور اس کا بھوکا کتا

ایک اعرابی اپنے دم توڑتے کتے کے سر پر سر راہ کھڑا زار و قطار رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے میرے وفادار رفیق! میں تیرے بغیر کس طرح جیوں گا۔ آہ میں بھی تیرے فراق میں گھل گھل کر مر جاؤنگا۔ ایک اہل دل پاس سے گزرا اور روتے ہوئے شخص سے پوچھنے لگا کہ تو کس لیے روتا اور اپنی جان کھوتا ہے؟

اعرابی بولا جس پر گزرے اس کا جی جانتا ہے۔ میرا وفادار دوست مر رہا ہے۔ میرا دل کیوں نہ کڑھے۔ کتا نہ تھا شیر تھا۔ دن کو میرے لیے شکار پکڑ لاتا اور رات کو پہرہ دیتا تھا۔

اس شخص نے پوچھا۔ آخر اسے ہوا کیا؟ بیماری سے جان بلب ہے یا زخم سے۔ ؟اعرابی نے جواب دیا۔ نہ بیمار ہے۔ نہ زخمی ہے۔ فقط بھوک سے مر رہا ہے۔ اس نے کہا۔ یہ مرض لا علاج ہے۔ صبر کر خدا تجھے اجر دے گا۔ یہ تو بتا تیری پشت پر یہ گٹھری سی کیا دھری ہے۔ اعرابی بولا یہ زاد راہ ہے۔ اس میں روٹی اور گوشت ہے جو ایک ہفتہ کے لیے کافی ہو گا۔ وہ یہ سن کر بڑا حیران ہوا اور پکارا تم بھی عجیب شوم العین ہو۔ آنکھوں سے تو رو کر دریا بہا رہے ہو مگر کتے کو روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں دیتے۔ ہر منزل پر روٹی مل سکتی ہے۔ اگر تمہاری نیت کھوٹی نہ ہو تو کتا بھوک سے ہلاک نہیں ہو سکتا۔

اعرابی نے کہا میں کچھ سڑی تھوڑا ہی ہوں۔ کہ محبت کو بڑھا کر جنون کے درجہ تک پہنچا دوں۔ آنسو بہانے سے میرا کیا بگڑتا ہے۔ گرہ سے تو کچھ تھوڑا ہی کھلتا ہے۔

وہ لوگ نرے بگلا بھگت ہیں جو آخرت کے خوف سے رونے پر زور ڈالتے ہیں مگر راہ حق میں کوڑی خرچ کرنے کا نام نہیں لیتے۔ ان کا گریہ محض ریا پر مبنی سمجھنا چاہیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے "لب پہ قدوس دل میں فلوس۔"

ایک استاد اور اس کا شاگرد

ایک استاد نے شاگرد سے کہا کہ میرے گھر دوڑ کر جا وہاں طاق میں ایک شیشہ رکھا ہوا ہے۔ اسے فوراً اٹھا لا۔ شاگرد تھا تو بڑا ہوش مند مگر اس کی آنکھ میں نقص تھا۔ اسے بوجہ احول (بھینگا) ایک کے دو نظر آتے تھے۔ وہ گھر سے ہو کر استاد کے پاس دوڑا آیا۔ کہ استاد جی! طاق میں دو شیشے پڑے ہیں۔ کونسا شیشہ لاؤں۔ استاد نے کہا۔ میں ابھی ابھی گھر سے آیا ہوں۔ وہاں تو ایک ہی شیشہ تھا۔ دوسرا آسمان سے اتر آیا۔ یا زمین سے نکل پڑا۔ یہ تیری نظر کا قصور ہے۔

شاگرد قسم کھا کر کہنے لگا کہ واقعی شیشے دو ہیں۔ استاد نے کہا سوگند کھانا شریفوں کا کام نہیں۔ یہ کمینوں کا شیوہ ہے کہ بات بات پر قسم کھانے لگتے ہیں۔ اگر آدمی سچا ہو پھر بھی قسم نہ کھائے۔ شاگرد نے کہا سوگند کھانے سے توبہ کرتا ہوں۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ شیشے دو ہی ہیں۔ خواہ آپ مانیں یا نہ مانیں۔

جب شاگرد نے شیشے دو ہونے پر اصرار کیا تو استاد کو ناچار کہنا پڑا کہ پھر میرے گھر جا اور جاتے ہی ایک شیشہ توڑ دے پھر اگر وہاں دوسرا شیشہ ہو تو اسے میرے پاس لے آ۔

شاگرد نے جاتے ہی طاق سے شیشہ اٹھایا۔ اور اسے فرش پر گرا کر توڑ ڈالا۔ پھر دیکھا اور شیشہ نہ پایا۔ تب اسے معلوم ہوا۔ کہ یہ اس کی نظر کا قصور تھا۔ در

درخت زندگی اور اس کا پتہ

ایک شخص نے بطور چیستان بیان کیا کہ ہندوستان میں ایک بڑا درخت ہے جس کے سایہ کا پھیلاؤ کئی کوس تک ہے اس کی جڑ پاتال کی خبر لاتی ہے اور اونچائی آسمان تک پہنچتی ہے۔ درخت کی عمر ہزاروں سال ہے۔ اس کا پھل تمام خلقت کھاتی ہے۔ لیکن اس کے پتوں کے متعلق لوگوں کا یقین ہے کہ وہ نہایت تلخ اور بدمزہ ہوتے ہیں جس شخص کو قسمت سے کوئی پتہ ہاتھ لگ جائے اور جی کڑا کر کے کھا جائے تو وہ قیامت تک نہیں مرتا۔ اسی درخت کو ہند کے رشی درخت زندگی کہتے ہیں۔ اس کے نیچے مردان خدا سالہا سال اس انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ کہ کب کوئی پتہ جھڑے اور ان کے ہاتھ آئے۔

بادشاہ کے ایک مصاحب نے یہ بات سنی تو وہ اس چیستان کو نہ سمجھا۔ اور اس نے بادشاہ کے سامنے بہت نمک مرچیں لگا کر اس درخت کی تعریفیں شروع کر دیں۔ بادشاہ کے ایک وزیر سے یہ مصاحب کچھ ناراض تھا۔ اس لئے ساتھ ہی اس نے کہہ دیا کہ اس وزیر کے سوا اور کسی کا کام نہیں کہ اس درخت کا پتہ لگا کر اس کا پتہ لائے۔ جسے کھا کر بادشاہ حیات جاوید حاصل کرے۔ بادشاہ نے اس وزیر کو بلا کر حکم دیا۔ کہ تم فوراً ہندوستان جاؤ اور دو برس کے اندر اندر مجھے پتہ لا کر دو۔

"حکم حاکم مرگ مفاجات" وزیر خزانہ لے کر جانب ہند روانہ ہو گیا۔ اور اس درخت کی تلاش میں ہندوستان کے تمام شہر میدان، پہاڑ، اور جنگل چھان ڈالے۔ جب اس کا خزانہ ختم ہو گیا تو وہ فقیر بن کر پیدل تلاش کرتا رہا۔ مگر اس کا پتہ نہ ملنا تھا نہ ملا جب وہ بالکل مایوس ہو گیا۔ تو اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا اسے خواب میں الہام ہوا کہ ہمارا ایک دوست مرغاب میں ہے وہ تمہارا مقصد پورا کرے گا۔ خواب

میں یہ مژدہ پاکر وہ مرغاب کی جانب چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ خلقت ایک طرف جوق در جوق چلی جا رہی ہے۔ یہ بھی اس طرف کو ہو لیا۔ دیکھا کہ ایک بزرگ خندہ رو اور شیریں بیان تشریف فرما ہیں اور لوگ ان کے گرد باادب بیٹھے ہیں۔ وزیر بھی نہایت عاجزی سے بیٹھ گیا۔ اور اپنی داستان بیان کرنے لگا۔ بزرگ نے سن کر جواب دیا کہ تم نے قائل کا مدعا نہیں سمجھا۔ لفظوں کو لے لیا۔ معانی پر غور نہ کیا وہ درخت زندگی علم و ہنر ہے۔ اور اس کا پتہ خدا کی معرفت۔ جس کو علم حاصل کر کے خدا کی معرفت کا پتہ مل جائے۔ وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔

استاد کو بیمار بنانے والے شاگرد

ایک مکتب کا استاد بڑا سخت گیر۔ سنگ دل اور ڈراؤنی شکل کا تھا۔ لڑکے اس کی سختی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اور دعائیں کرتے تھے کہ خدایا ہمیں اس سے نجات دلا۔ اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ اسے کبھی بخار بھی نہ آتا تھا۔ ایک دن لڑکوں نے بیٹھ کر مشورہ کیا کہ کوئی تجویز کی جائے جس سے ہم چند روز کے لیے ہی اس سے خلاصی پائیں۔ ان کا خلیفہ بڑا چلتا پرزہ تھا۔ اس نے کہا۔ تجویز تو میں بتا دیتا ہوں۔ بشرطیکہ تم اس پر عمل کرو۔ اور سوگند کھاؤ۔ کہ راز فاش نہ کرو گے۔ سب نے قسمیں کھائیں۔ کہ ہم استاد سے اس کا ذکر اور غمازی نہ کریں گے۔ خلیفہ نے کہا بات یہ ہے کہ ہم میں سے جو بھی استاد کے پاس جائے بعد از سلام جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھے اور کہے۔ استاد جی یہ کیا بات ہے کہ آپ کا چہرہ نصیب دشمناں کچھ زرد سا ہے؟ جب وہ ہر ایک سے یہی کلمہ سنے گا۔ وہم اس کے دل میں گھر کر کے اسے بیمار بنا دے گا۔

سب لڑکوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور اس پر عمل کرنے کا عہد کر لیا۔

جب دوسرے دن مدرسہ کھلا اور استاد صاحب تشریف لائے پہلے لڑکوں کا خلیفہ استاد کے پاس گیا۔ جھک کر سلام کیا۔ چہرے پر نظر ڈالی اور بولا۔ ہیں یہ کیا بات ہے؟

استاد جی آپکا چہرہ کیوں اس قدر زرد ہے۔ نصیب دشمناں آپ کچھ بیمار سے معلوم ہوتے ہیں۔ استاد نے کہا کیا بکتا ہے۔ جا اپنی جگہ بیٹھ پھر دوسرا لڑکا آیا۔ اس نے بھی سلام کیا جھک کر چہرے کی طرف دیکھا اور کہا۔ استاد صاحب! آپ کے چہرے کی زردی بتا رہی ہے کہ سر میں درد ہے۔ خدا خیر کرے۔ اور ہمارے استاد کو بخیریت رکھے۔ تیسرا لڑکا آیا تو اس نے بھی وہی کہا جو پہلے لڑکے کہہ چکے تھے۔ الغرض ساری جماعت نے استاد کو بیمار بتایا۔ اس کا وہم بڑھتے بڑھتے یقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اسے سر میں درد محسوس ہونے لگا۔ اس نے لڑکوں سے کہا اب میں یہاں بیٹھ نہیں سکتا۔ میرے گھر چلو وہیں سبق پڑھ لینا۔

استاد لڑکوں کو لے کر گھر پہنچا۔ بیوی سے کہا۔ جلد بستر بچھا۔ تکیہ دے اور لحاف مجھ پر ڈال دے۔ میرا سر دکھتا ہے۔ پٹی کس کر باندھ دے۔ بیوی نے کہا آئینہ دیکھ لو۔ چہرے پر بیماری کے آثار مطلق موجود نہیں محض وہم ہے جس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔ استاد نے اسے جھڑک دیا کہ باتیں نہ بنا۔ جس تن لگے وہی تن جانے دکھیا کی کوئی نہ مانے۔

الغرض وہ سچ مچ بیمار بن گیا۔ اور درد سے ہائے ہائے کرنے لگا۔ لڑکوں نے کہا۔ استاد کو اتنی کوشش سے بیمار کیا۔ مگر پڑھنا پھر بھی پڑا۔ خلیفہ نے کہا زور سے پڑھنا شروع کر دو۔ لڑکوں نے گھر سر پر اٹھا لیا۔ استاد نے کہا۔ کم بختو! میں بیمار ہوں اور تمہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ تم شور مچا رہے ہو۔ میرا سر پھٹا جاتا ہے۔ میرے گھر سے نکل جاؤ جیتا رہا تو پڑھاؤں گا۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا لڑکے خوش خوش گھروں کو آئے۔ محلے بھر میں کہرام مچ گیا۔ عورتیں بولیں ملا کی عقل پر پردہ پڑ گیا کہ ان وحشیوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ لڑکے بولے استاد جی بیمار ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں چھٹی مل گئی ہے۔ سب کو اس پر حیرت ہوئی۔ استاد جی کے گھر آ کر دیکھا کہ آپ واقعی بیمار ہوئے ہیں۔ بستر پر پڑے ہیں۔ پوچھا کیا ہوا۔ صبح تک تو آپ چنگے بھلے تھے بولے میری بیوی نے مجھے نہ بتایا کہ میں بیمار ہوں۔ خدا لڑکوں کا بھلا کرے کہ مجھے وقت پر اطلاع

دے دی۔ اب دعا کرو کہ خدا مجھے جلد شفا دے۔

وہم بڑی خطرناک شے ہے۔ یہ چنگے بھلے کو بیمار بنا دیتا ہے۔ جو چیزیں فی الحقیقت موجود نہیں ہوتیں وہم ان کو لا سامنے کھڑا کرتا ہے۔ وہم ایک ایسا مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

بوڑھا مرد اور اس کی بی چٹوری

جب گیڈر کے برے دن آتے ہیں تو وہ شہر کی طرف دوڑتا ہے۔ مگر بچ کر واپس نہیں آتا۔ ایک شخص مدت کا مجرو (بغیر بیوی) تھا۔ رات دن چین سے گزرتے تھے۔ اس کی کم بختی جو آئی تو اس نے بڑھاپے میں نکاح کر لیا۔ بیوی بڑی چالاک ملی۔ بدرویہ بے حیاء بے باک شب و روز کھانے پینے سے ہی اسے کام تھا اسی لیے اسے بی چٹوری کہتے تھے۔

ایک دن گھر میں مہمان آیا۔ بوڑھا ایک سیر گوشت لایا بیوی سے کہا اسے اچھی طرح پکا کر مہمان کے لیے کھانا تیار کر دے۔ بھونتے بھونتے بیوی کا دل للچایا اور وہ ایک ایک بوٹی چن کر کھا گئی۔ جب ہانڈی بالکل خالی ہو گئی تو میاں کو آواز دی کہ اندر آنا۔ شوہر آیا تو بولی کہ میں مصالحہ بھون رہی تھی گوشت بھون کر طاق میں رکھا تھا کہ کہیں سے یہ نگوڑی بلی آگئی اور جھٹ پٹ تمام بوٹیاں اڑا گئی۔ دیکھ لو وہ منہ پنجوں سے صاف کر رہی ہے۔ جاؤ اور اب جا کر اور گوشت لاؤ۔ میاں بلی کو دیکھنے لگا۔ بیوی بولی۔ سوچ میں کیوں پڑ گئے ہو غور اور فکر پھر کر لینا اب بلی تو تمہیں گوشت واپس نہیں کرے گی۔

میاں کچھ نہ بولا اور اٹھ کر ترازو لے آیا۔ بلی کو ایک پلڑے میں ڈال کر جو تولا تو وزن میں پوری سیر بھر نکلی۔ اب وہ زوجہ سے مخاطب ہوا۔ اور پوچھنے لگا کہ بے حیا بتا کہ میں سیر گوشت لایا تھا جو تو نے خود تول لیا تھا۔ بلی کا کل وزن سیر ہے بتا سیر بھر

گوشت سے سیر ہو کر اس کا وزن کیسے سیر رہ سکتا ہے۔

اگر یہ کھائے ہوئے سیر گوشت ہی کا وزن ہے تو پھر بلی کہاں ہے اور اگر بلی کا وزن ہے تو پھر گوشت کہاں ہے؟ یہ سن کر بیوی کچھ جواب نہ دے سکی۔ اور شرمندہ ہو کر بیٹھ گئی۔ جھوٹی بات بنانے سے نہیں بنتی اور آخر عیب نکالنے والا شخص ذلیل ہوتا ہے۔

چار مسافر اور انگوروں کے لیے لڑائی

بغداد کے بازار میں چار اندھے خیرات مانگتے تھے۔ ایک ہندی تھا' دوسرا ایرانی' تیسرا عرب' چوتھا ترک' ایک سخی مرد نے انہیں روپیہ دیا اور کہا کوئی چیز لے کر آپس میں بانٹ لو۔

ہندی نے کہا۔ میں تو داکھ کھاؤنگا۔ ترک بولا میں اوزم منگواؤں گا ایرانی کہنے لگا میرا دل انگور کھانے کو چاہتا ہے۔ عرب بولا مجھے عنب کی رغبت ہے۔ سب آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے وہ سمجھتے تھے کہ جو ایک کی خواہش ہے دوسرا اس کے خلاف کوئی اور چیز چاہتا ہے۔ حالانکہ اپنی اپنی زبان میں ہر ایک یہی کہتا تھا کہ انگور لے کر کھانے چاہئیں۔

ان کو یوں گتھم گتھا دیکھ کر ایک شخص بیچ بچاؤ کرنے آگیا۔ اسے سب زبانیں آتی تھیں۔ وہ ان کی جہالت پر ہنسا اور کہا لاؤ میں تمہارا جھگڑا چکا دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ روپے کے انگور خرید لایا۔ سب اپنا مرغوب میوہ پا کر خوش ہو گئے۔

دوسرے کی زبان سے نا آشنا ہونا بڑی خرابی کا موجب ہے ہم زبانی الفت کا دام ہے۔ زبان کی غیریت آپس میں ملنے نہیں دیتی۔ جہالت فساد کی جڑ ہے۔ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ حضورؐ سب کی سننے اور سمجھنے والے آگئے اور سب کو بھائی بھائی بنا دیا۔

نماز میں کلام کرنے والے چار بیوقوف

ایک شہر میں چار ہم نوالہ وہم پیالہ دوست تھے۔ جو ہر وقت اکٹھے رہتے گرتے
چاروں سادہ لوح بھولا ہے۔ چاروں مل کر مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے لگے۔ ایک نے
بانگ دی اس کے بعد ایک ان میں سے امام بنا اور تین مقتدی بن کر نماز پڑھنے لگے۔
اتنے میں مسجد کا ملا وقت کی تنگی سے گھبرایا ہوا آیا۔ اور جھٹ اذان دینے کھڑا ہو گیا۔
ان میں سے ایک نے کہا جماعت ہو رہی ہے۔ اس میں آکر شامل ہو جائیں۔ دوسرا بولا
خاموش نماز میں بولنا جائز نہیں۔ اور خود بھی بولتا ہے "دیگراں را نصیحت و خود را
فضیحت" اسی کو کہتے ہیں۔ چوتھا بے وقوف جو امام جماعت بنا کھڑا تھا۔ بولا خدا کا شکر
ہے کہ میں نہ بولا اور ثابت قدم رہا۔

ہر ایک نے دوسرے کا عیب دیکھا اور اپنے عیب پر نظر نہ کی۔ دانا آدمی وہ
ہے جو کسی کا عیب پکڑنے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالے۔ اگر یہی عیب اس میں
ہو تو پہلے اپنے آپ کو اس سے پاک کرے۔

چالاک درزی اور سپاہی

ایک دن فرصت کے وقت چند دوست بیٹھے دل لگی کی باتیں کر رہے تھے
باتوں باتوں میں ذکر آگیا کہ فلاں درزی بڑا عیار ہے۔ لاکھ ہوشیاری سے کام لو۔ مگر
اپنا کام کر جاتا ہے اور کوئی کپڑا چوری کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ وہاں ایک ترک سپاہی
بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شیخی سے کہنے لگا کہ دوستو! یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ مجھے دھوکا
دے تو مانوں میں کل ایک تھان لے جاؤں گا اور اپنے سامنے کنوا کر کرتا سلواؤں گا۔ اگر
وہ تھان سے کچھ کپڑا اڑا جائے تو میں زین سمیت گھوڑا ہار جاؤں گا۔

الغرض وہ سپاہی اطلس کا تھان لیکر درزی کی طرف چلا۔ اپنا گھوڑا ایک طرف باندھ دیا۔ اور درزی کے پاس جا کر یوں مخاطب ہوا۔ درزی میں سنتا ہوں کہ تو بڑا چالاک ہے اوروں کو داؤ دیتا ہو گا۔ مگر میں تیرے داؤ میں آنے والا نہیں درزی نے کہا قبلہ! تشریف رکھیئے۔ آپ کے دل میں کس نے شک ڈالا۔ کام کرتے عمر گزر گئی۔ میں ایک کترن تک حرام سمجھتا ہوں۔ کسی اور الو کو میں جھل دے بھی دوں۔ مگر آپ جیسے گاہک مجھ سے کب دھوکا کھا سکتے ہیں۔

جب درزی نے ہاتھ میں قینچی لی۔ تو سپاہی چوکنا ہو کر سامنے جم کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے مقراض کے چشموں پر اپنی نگاہیں لگا دیں۔ درزی نے سوچا کہ اس کو باتوں میں لگا کر اور چٹکلے سنا کر غافل کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے اسے یہ لطیفہ سنانا شروع کر دیا۔

ایک درزی کی شادی ہوئی۔ بیوی لکھی پڑھی ملی۔ اسے استادوں کے ہزاروں شعر یاد تھے۔ وہ ایک دن اشعار سنا سنا کر خاوند سے داد مانگنے اور پوچھنے لگی کہ بتاؤ کیا سمجھے۔ وہ سمجھتا کیا خاک اسے ساری ابجد بھی یاد نہ تھی۔ جب بیوی نے سخت تنگ کیا تو وہ دل میں کچھ سوچ کر بیٹھا تھا سر ہلانے لگ گیا۔ بیوی بولی میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تم شعروں کا مطلب سمجھتے ہو۔ اور مجھے یونہی دم دیتے ہو۔ کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ شوہر نے کہا جو کچھ میری عقل میں آتا ہے میں بتا دیتا ہوں۔ بیوی بولی ہاں تو بتاؤ۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو میرے پاس ٹکتی نظر نہیں آتی۔

یہ لطیفہ سن کر سپاہی مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ درزی نے موقع کو غنیمت جانا اور تھان سے ایک چوتھائی حصہ کاٹ کر الگ رکھ لیا۔ سپاہی نے کہا خلیفہ! ہاں ایک چٹکلہ اور سنائیے۔ درزی نے ایسا ہی ایک اور لطیفہ سنایا۔ سپاہی کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔ ہنستے ہنستے جب اس کا سر زمین پر جا لگا۔ درزی نے ایک چوتھائی کپڑا اور کاٹ لیا۔

اس کے بعد ترک سپاہی نے فرمائش کی کہ استاد! ایک لطیفہ اور بھی سنا دو۔

درزی نے کہا اب فرصت نہیں۔ جلد ناپ دو ورنہ کرتا بگڑ جائے گا۔ اور بدن پر تنگ آئیگا۔ ادھر درزی نے کرتا تیار کیا ادھر سپاہی کا گھوڑا چور اڑا لے گیا۔

(یہاں سپاہی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے تقویٰ کے زعم پر شیطانی صحبت میں بیٹھتا ہے۔ اور شیطان درزی کی طرح اس کو خواہشات نفسانی کے لطیفوں میں لگا کر اس کے عزم کے تھان کو رات دن قینچی سے کاٹ ڈالتا ہے۔)

سانپ چور کی ہلاکت

ایک سپیرا چوک میں بیٹھا ہوا سانپ کا تماشا دکھا رہا تھا۔ جب اس نے بین بجائی تو کالے سانپ نے نغمہ سننے کے لئے سر باہر نکالا۔ آخر ورط شوق سے دم کی نوک پر کھڑا ہو گیا۔ یہ سانپ بڑا خوبصورت تھا۔ اس شوخ فتنہ خو کے چکنے نرم اور نازک بدن کو دیکھ کر ایک اور سپیرے کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور اس کے اڑانے کی فکر کرنے لگا۔ آخر رات کو اس نے دیوار میں نقب لگا کر سانپ والی پٹاری اڑا لی اور اسے خوشی خوشی گھر لے آیا۔ صبح سانپ کا مالک خواب غفلت سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ سانپ غائب ہے۔ اپنے رزق کا ذریعہ گم دیکھ کر وہ زارو قطار رویا اور دعا کی کہ یا اللہ اجس نے میری دولت لوٹی ہے تو اسے سمجھ اور میرا حق مجھے دلا۔ سانپ چور نے گھر آکر بڑی خوشی سے سانپ نکالا اور جونہی اسے پکڑنے لگا۔ اس نے اس کا ہاتھ چک لیا۔ یہ سانپ کی مستی کا دن تھا کاٹتے ہی سانپ کا زہر خون میں سرایت کر گیا اور مار گزیدہ منہ کے بل گر کر مر گیا۔

جب سانپ والے نے یہ سنا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں بال بال بچ گیا اگر وہ سانپ اپنی مستی میں مجھے بھی کاٹتا تو میں بھی پانی نہ مانگتا۔ مجھے سانپ کا چوری ہو جانا برا معلوم ہوا۔ حالانکہ اس میں میری بہتری اور چور کی ہلاکت تھی۔

انسان کو نقصان پر ملول نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے اس کی بلا ٹل جاتی ہے۔

جج کی مشکلات

بادشاہ نے اپنے ایک صالح اور دیندار عالم کو قاضی القضاۃ کے جلیل القدر عہدے پر فائز کر دیا یہ حکم سن کر وہ زارو قطار رونے لگا۔ اس کے نائب قاضی نے کہا آپ کیوں روتے ہیں؟ یہ مبارک موقع تو خوشی کا ہے۔ آپ خدا کا شکر بجا لائیں؟ کہ آپ لوگوں کی قسمتوں کے مالک بن گئے ہیں۔ بادشاہ نے خاص اپنا منصب آپ کو عطا فرمایا ہے۔ آپ دیانت سے کام کر کے لوگوں کی داد رسی فرمائینگے۔ تو آپ کو بادشاہ سے نقد صلہ ملنے کے علاوہ اللہ میاں کے ہاں سے بھی صلہ ملے گا۔ "ہم خرما و ہم ثواب" والا معاملہ ہے۔

قاضی صاحب نے کہا کہ افسوس ! تم قضا کی مشکلات کا علم رکھتے ہوئے بھی ہمدردی کا اظہار نہیں کرتے۔ مدعی اور مدعا علیہ میرے سامنے آئیں گے۔ دونوں اپنے آپ کو سچا ثابت کریں گے۔ ہر ایک اپنی سچائی کی شہادت پیش کرے گا۔ مجھ کو اصل واقعہ کی کچھ خبر نہ ہو گی۔ شہادتوں پر ہی دار و مدار ہو گا۔ تم خود انصاف کرو کہ میں کس قدر مشکل میں پھنسا ہونگا۔ خلق اللہ کی جان و مال کے متعلق اپنے قیاس سے فیصلہ کرنا بڑا خوفناک کام ہے۔ نائب نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا سب بجا ہے مدعی اور مدعا علیہ کی آنکھوں کو تو حرص نے اندھا کر دیا ہوگا۔ مگر خدا کے فضل سے آپ کی امانت اور دیانت کی دونوں آنکھیں روشن ہوں گی۔ آپ انصاف سے فیصلہ کریں گے۔ تو آپ کو کچھ خوف نہیں۔

اگر غرض درمیان آگئی تو ان دو اندھوں کے ساتھ تیسرے اندھے آپ ہونگے۔ راشی (رشوت خور) قاضی عدل نہیں کر سکتا۔ فریقین مقدمہ اندھے ہوتے

ہیں۔ رشوت کھانے والا جج بھی اندھا ہوتا ہے۔ پس اندھا اندھوں کی رہبری کیسے کر سکتا ہے۔

بعض رشوت نہیں لیتے مگر سفارش پر انصاف کا خون کر دیتے ہیں۔ بعض تعصب مذہبی سے کام لیتے ہیں۔ بعض دوستی اور رشتہ کا پاس کرتے ہیں۔ بعض بے تعصب مشہور ہونے کے لیے عمداً اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ رشوت ستاں سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ راشی اپنا پیٹ بھر کر ایمان ضائع کرتا ہے اور یہ لوگ مفت میں ایمان کھوتے ہیں۔

مٹی کھانے والے کی حماقت

ایک بے وقوف کو مٹی کھانے کی عادت تھی۔ وہ گل خوری سے رک نہ سکتا تھا۔ ایک دن صبح کو وہ عطار کی دکان پر گڑ لینے گیا۔ عطار نے کہا میری دکان میں مصر' چین' ہند' الغرض ملک ملک کا قند ہے۔ میرے پاس باٹ لوہے کے نہیں مٹی کے ہیں۔ مگر ہیں پورے وزن کے۔ گاہک نے کہا مجھے قند چاہیے خواہ کسی بیٹے سے تول دو۔ دل میں کہا کہ میرے لیے تو مٹی کا بیٹا مصری کا ڈلا ہے۔

دکاندار نے باٹ کو ایک پلڑے میں رکھا۔ اور خود شیشہ تلاش کرنے لگا۔ تا کہ کاٹ کر قند کا تول پورا کرے۔ مٹی خور نے عطار کی نظر بچا کر باٹ کو دانتوں سے کاٹ کر مٹی کو کھانا شروع کر دیا۔ اور ایک ڈلی جیب میں بھی ڈال لی۔ عطار نظر بچا کر اسے دیکھ رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ جتنا چاہے باٹ کاٹ کاٹ کر کھالے مجھے گھاٹا نہیں جتنا تو باٹ کا وزن کم کرے گا اتنا ہی مجھے قند کم دینا پڑے گا تو ڈرتا ہے کہ میں تیری یہ حرکت نہ دیکھ لوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو جتنی مٹی چاہے کھائے جاتا کہ گڑ ترازو میں زیادہ نہ چڑھے۔

جس طرح مٹی خور نے حماقت سے نہ جانا کہ مٹی کھانے میں اس کا نقصان ہے

اسی طرح دنیاوی لذتوں میں پڑا ہوا شخص نہیں سمجھتا کہ وہ اپنا نقصان کر رہا ہے۔

نقاش اور صفائی کا مقابلہ

ایک دفعہ چینیوں اور رومیوں میں بحث ہوئی کہ دونوں میں کون بڑھ کر دستکار ہے۔ چینیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم جادو قلم ہیں۔ نقاشی میں ہماری کوئی نظیر نہیں۔ رومی کہتے تھے ہاتھ کی صفائی میں کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ مقابل میں دو دیواریں امتحان کے لئے دی جائیں۔ دونوں کے بیچ میں پردہ پڑا رہے۔ ایک دیوار پر چینی اپنی صناعی کے پھول کھلائیں۔ اور دوسری پر رومی اپنے جوہر دکھلائیں۔ چینیوں نے رنگ و روغن سے دیوار کو گلزار بنا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دیوار نہیں بلکہ باغ کا تختہ ہے جس میں رنگ برنگ کے پھول کھلے ہیں۔

رومیوں نے رنگ و روغن استعمال نہ کیا۔ صرف دیوار کو میل کچیل اور رنگ سے صاف کر کے آئینہ بنا دیا۔ درمیان سے پردہ جو اٹھا تو۔ اس میں وہی پھول نظر آنے لگے جن سے وہ دیوار آراستہ تھی۔ رومیوں کے کام کی صفائی دیکھ کر چینی بھی عش عش کر اٹھے۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ رومی صوفی ہیں جو دل کے آئینہ کو زنگ بغض و کینہ سے صاف کر کے اسے ذکر حق سے جلا دیتے ہیں پھر اس میں انوار الٰہی کے سدا بہار پھولوں کا عکس ڈال کر اسے رشک صد گلزار بنا دیتے ہیں۔

چور کی نقب زنی اور گھر والے کی غفلت

ایک بیمار شخص کو بیماری کے سبب نیند نہ آتی تھی۔ ایک رات اس نے اپنی چھت پر سے نیچے جھانک کر دیکھا کہ ایک چور اس کی دیوار میں نقب لگا رہا ہے۔ یہ

بیوقوف نہ سمجھا کہ یہ شخص میرا دشمن ہے۔ اس نے الٹا اسے سلام کے بعد کہا حضرت
خوش آمدید۔ آپ بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ جو خاک پر ننگے بیٹھے آدمی سے
زیادہ رات بیداری میں گزار دی ہے۔ گرمی سردی کی کچھ پروا نہیں۔ ہاں مجھے صرف
اتنا بتا دیں کہ یہ کھٹ کھٹ کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ چور تاڑ گیا کہ یہ شخص احمق
ہے۔ بولا میں ڈھول بجا رہا ہوں۔ بیمار نے کہا یہ کیا بات ہے کہ ڈھول کی آواز نہیں
آتی۔ چور نے ہنس کر جواب دیا۔ میرا یہ ڈھول نرالی قسم کا ہے۔ یہ رات کو بجتا اور
صبح کو آواز دیتا ہے۔ میں جب یہاں سے چلا جاونگا تو تم سویرے اس کی دھوں دھوں
سنو گے۔ بیوقوف مکان والا یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اور چور اپنا کام کر کے چلتا بنا۔
صبح ہوئی تو پتہ چلا کہ بیمار کے گھر نقب لگی اور اس کا تمام سامان لٹ گیا ہے۔
اب لگا قسمت کو رونے مگر جب چڑیاں کھیت چگ گئیں تو رونے سے کیا حاصل تھا؟
شیطان چور کی طرح انسان کی نقب زنی کر رہا ہے۔ اور با آواز دہل کہہ رہا ہے
کہ میں تیری بنیاد کھود پھینکوں گا۔ مگر اس کے ڈھول کی آواز اسے سنائی نہیں دیتی اور
وہ بیمار صاحب خانہ کی طرح غافل پڑا ہے۔ قیامت کی صبح اسے اپنی خانہ بربادی کا علم
ہو گا۔ پھر پچھتائے گا۔ مگر پچھتانا کسی کام نہ آئے گا۔ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں
چگ گئیں کھیت۔

اپنی ماں کو مارنے والا جوان

ایک نوجوان کی ماں پر بدکاری کی تہمت لگی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ گھر آکر
ماں کو پہلے خوب طرح مکوں سے پیٹا اور پھر خنجر سے ہلاک کر دیا۔ ایک شخص نے یہ
دیکھ کر کہا۔ اے فلاں تو بڑا بدنصیب ہے تو نے ماں کے تمام حقوق بالائے طاق رکھ
دیئے اور اس کے سب احسان بھول گیا۔
اس غیرت مند نے جواب دیا اس نے ایک ایسا کام کیا جو اس کے لئے باعث

ننگ و عار تھا۔ میں نے اسے مار کر بدنامی اور شرمندگی سے بچالیا۔ اب قبر نے اس کی پردہ پوشی کرلی ہے۔

اس شخص نے کہا اس سے تو یہ بہتر تھا کہ تو اس شخص کو قتل کرڈالتا جس کی وجہ سے تیری ماں ہتم ہوئی۔ اس نے جواب دیا کیا تیری مرضی ہے کہ ماں کے لئے ہر روز ایک آدمی قتل کرتا۔ آج وہ ایک سے ہتم ہوئی میں اسے مارتا کل کسی اور سے ہوتی پھر اس کی جان لیتا۔ مجھے ایسی لمبی مصیبت میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے فساد کی جڑ کاٹ دی۔ اور خلقت کی خون ریزی سے چھوٹ گیا۔

مولاناؒ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے غافل تیرا نفس اس جوان کی بدکار ماں کی طرح ہے۔ اسی کا ہر طرف فساد ہے۔ اسی کے واسطے تو نے قتل و غارت کا سلسلہ قائم اور دنیا کو حریف بنا رکھا ہے۔ اسی کی خاطر تو خلقت اور حق سے جنگ کر رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تو اسی نفس کو مار اور جھگڑا ختم کردے۔

افلاس کو چھپانے والا امیر

ایک حیا والا روشن ضمیر امیر مفلس ہوگیا۔ رسی جل گئی لیکن بل نہ گیا۔ اس نے اپنی ظاہری امیرانہ شان قائم رکھی ایک پرانا کپڑوں کا جوڑا تھا۔ وہی شام کو پہن کر دیوان خانہ میں آ بیٹھتا۔ سر پر وہی کلاہ گوشہ شکن اور شیروانی زیب تن رکھتا ایک عطر کا پھوہا بھی اس کے کان میں ضرور ہوتا۔ فاقوں پر فاقے آتے مگر کیا مجال کہ پڑوسی کو بھی خبر ہو۔ اس کا ایک دوست دنبہ کی چکی کاٹ کر دے گیا تھا۔ یہ اس سے ہر روز ہونٹ چکنے کرکے مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا باہر نکلتا تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ پلاؤ کھا کر آیا ہے۔

اس کے دوست سب صاحب مقدور اور مشہور دوست پرور تھے یہ اشارہ کرتا۔ تو وہ اس کی سب ضرورتیں پوری کردیتے مگر اس نے ظاہرداری کو نہ چھوڑا۔

ایک دن یہ قسمت کا مارا امیر دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا کہ گھر سے لڑکا بھاگتا ہوا آیا اور بولا کہ ابا! آپ جس چیز سے ہونٹوں کو تر کرتے اور مونچھوں کو تاؤ دیا کرتے تھے۔ اس کو بلی اٹھا کر لے گئی ابا جان! وہ چکی کا ٹکڑا بلی کے کس کام آئے گا۔ یہ سن کر وہ بڑا شرمندہ ہوا۔ اور آئیں بائیں کر کے ٹالنے لگا۔

دوستوں نے کہا۔ اب چھپانے سے کیا فائدہ؟ بتاؤ حال کیا ہے؟ بولا اب تو سارا بھرم کھل گیا۔ میرے پلے تو ایک درہم بھی نہیں۔ دوستوں نے وہیں بیٹھے چندہ اکٹھا کیا۔ اور اسے اپنے برابر کر دیا۔

جو انسان ظاہر و باطن ایک نہ رکھے وہ آخر کار نادم ہوتا ہے۔ جھوٹی شیخی اور ریا کاری چکنے منہ اور خالی پیٹ کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔

کنیز شاہ اور خواجہ زرگر

ایک بادشاہ اپنے خواص کے ساتھ شکار کھیلنے نکلا۔ راہ میں ایک بڑی خوبصورت کنیز سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ بادشاہ اس پر سو جان سے عاشق ہو گیا۔ اور بہت سا روپیہ دیکر اسے خرید لیا۔ چند روز کے بعد یہ بادشاہ کے دل کی مالک لونڈی بیمار ہو گئی۔ بادشاہ پر وہی مثل صادق آئی کہ گدھا پاس تھا۔ تو پالان نہ تھا۔ پالان ملا تو گدھے کو بھیڑیا لے گیا۔ کوزہ تھا تو پانی نہ تھا پانی ملا تو کوزہ ٹوٹ گیا۔

ہر طرف سے طبیب علاج کے لیے اکٹھے ہو گئے اور لگے دعویٰ کرنے کہ ہم مسیح زمان ہیں۔ ہمارے پاس ہر دکھ درد کی تیر بہدف دوا ہے۔ ان نالائقوں نے انشاءاللہ نہ کہا۔ اسی وجہ سے ان کا علاج کارگر نہ ہوا مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والا مضمون ہو گیا۔

بادشاہ نے جب طبیبوں کا عجز ملاحظہ کیا۔ تو اسے رجوع الی اللہ کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ وہ فوراً ننگے پاؤں مسجد کی طرف بھاگا اور جاتے ہی سجدہ میں گر

گیا۔ اور گڑگڑا کر کنیز کی صحت کیلیے دعا مانگنے لگا۔ یا اللہ! میں اپنے درد دل کا حال کیا بیان کروں۔ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میں نے طبیبوں پر بھروسہ کرنے میں خطا کی۔ میرا قصور معاف کر دے۔ اور میری محبوبہ کو شفا عطا فرما۔

اللہ کی رحمت کا دریا جوش میں آگیا۔ اور بادشاہ کو اسی وقت نیند آگئی۔ خواب میں اسے بشارت دی کہ کل جو مسافر تیرے پاس آئے گا اس کے علاج سے کنیز کو شفا ہو گی۔

بادشاہ بڑی بے تابی سے نو وارد کی راہ دیکھنے لگا۔ دیکھا کہ ایک بزرگ صورت شخص دور سے ہلال کی طرح ظاہر ہوا۔ جوں جوں نزدیک آتا گیا۔ آفتاب کی طرح اس کی روشنی پھیلتی گئی۔ بادشاہ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

الغرض کلام و طعام سے فارغ ہو کر بادشاہ اس بزرگ کو محل کے اندر لے گیا۔ اور بیمار کی حالت بیان کی۔ اس نے چہرہ کی رنگت نبض اور قارورہ دیکھا۔ بیماری کی علامات اور اسباب کے متعلق استفسار کیا۔ اور سب کچھ دیکھ سن کر دل میں کہا کہ علاج ہوتا رہا ہے مگر غلط۔ جو دوا دی جاتی ہے الٹ اسے صفرا و سودا کے غلبہ کی وجہ سے مرض لاحق نہیں ہے۔ بلکہ یہ مریضہ عشق ہے۔ یہ معلوم کر کے اس نے کہا۔ اے بادشاہ! میں بیمار سے تخلیہ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پاس رہو نہ کوئی اور تاکہ میری اور مریضہ کی گفتگو کوئی نہ سنے۔ چنانچہ جب تخلیہ ہو گیا۔ تو اس طبیب نے پوچھا۔ اے شاہ بیگم! یہ تو بتائیں کہ آپ کس شہر کی رہنے والی ہیں۔ یہ میں اس لیے پوچھتا ہوں کہ ہر شہر کا طریق علاج مختلف ہوتا ہے۔ اور اس شہر میں آپ کا کون کونسا قریبی رشتہ دار ہے۔ آپ اس شہر سے کس طرح جدا ہوئیں۔ اور بادشاہ کے پاس کس طرح پہنچیں۔ یہ کہہ کر مریضہ کی نبض پر طبیب نے ہاتھ رکھ دیا۔ تاکہ اس کے دل کی کیفیت معلوم کرے۔ کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے۔ تو اسے نکالنے کے لئے کتنی کاوش کرنا پڑتی ہے۔ پاؤں زانو پر رکھ کر سوئی کے سرے سے کانٹے کا سر معلوم کرتے ہیں۔ جب نہ ملے تو اسے لب سے تر کرتے ہیں جب پاؤں کا کانٹا ایسا

دشوار یاب ہے تو دل کا کانٹا معلوم کرنا کیوں کر مشکل نہ ہو۔ ایک نے گدھے کی دم کے نیچے کانٹا رکھ دیا۔ گدھا اسے نکالنے کے لئے ادھر ادھر دولتیاں جھاڑنے اور تڑپنے لگا۔ اس سے کانٹا اور گہرا پیوست ہو گیا۔ آخر ایک دانا آدمی نے گدھے کی یہ بے قراری دیکھ لی کہ اس کے زیر دم کانٹا چبھا ہے۔ وہ بڑھا اور دم خر کے نیچے سے خار بدر کر دیا۔ جس سے گدھے کے درد و کرب میں افاقہ ہوا۔ اسی طرح اس طبیب نے کنیز شاہ کا خار دل دریافت کر لیا۔

کنیز نے اپنی سرگزشت بیان کرنا شروع کر دی۔ کہ میں فلاں شہر کی رہنے والی ہوں وہاں فلاں فلاں سہلیاں اور خواجہ تاش ہیں۔ میری فلاں فلاں سہیلیاں اور رشتہ دار ہیں۔ طبیب نے دیکھا کہ اس شہر کے بسنے والوں کے فراق میں یہ بیمار نہیں۔ کیونکہ ان کے ذکر سے نہ اس کا رنگ بدلا نہ نبض میں تغیر واقع ہوا ہے۔ اسی طرح وہ ہر شہر اور گھر کا ذکر کرتی رہی۔ جہاں جہاں اس کی بود و باش رہی۔ مگر نہ اس کی نبض میں غیر معمولی جنبش پیدا ہوئی۔ نہ اس کا رخ زرد ہوا۔ جب کنیز نے بیان کیا کہ میں پھر سمرقند میں آئی۔ سمرقند کا نام لیتے ہی اس کے دل سے آہ نکلی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور رو کر کہنے لگی۔ مجھے وہاں خواجہ زرگر نے خرید لیا۔ اس کے پاس چھ مہینے رہی تھی کہ اس نے مجھے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس بیان سے اس کی نبض دل کی تڑپ کا پتہ دینے اور منہ کی زردی درد فراق کا اظہار کرنے لگی۔

حکیم نے رنجور کی بیماری تشخیص کر لی۔ اور کہا مجھے آپ کے مرض کا علم ہو گیا ہے اب اطمینان رکھیئے۔ جلد تندرست ہو جاؤ گی۔ حکیم نے باتوں ہی باتوں میں خواجہ زرگر کے محلے اور مکان کا پتہ پوچھ لیا اور کہا کہ یہ حال بادشاہ سے بھی نہ کہنا۔ بھید چھپانے سے مراد جلد حاصل ہوتی ہے۔

الغرض طبیب کنیز کے پاس سے اٹھ کر بادشاہ کے پاس آیا اور بتایا میں نے مرض معلوم کر لیا ہے۔ فلاں زرگر کو سمرقند سے روپیہ کا لالچ دے کر بلا لو۔ وہ آئے گا تو کنیز صحت یاب ہو گی۔

بادشاہ نے اپنے دو خاص دانا مصاحب سمرقند بھیجے جو اس سنار سے ملے اور اس کو اطلاع دی۔ کہ بادشاہ تمہاری ہنرمندی کا شہرہ سن کر بڑا خوش ہوا ہے۔ اس نے تمہارے لیے بیش قیمت خلعت اور سیم و زر بھیجا ہے۔ اس کی خواہش ہے تم اس کے پاس آؤ۔ اور اس کے خاص مصاحبوں میں شامل ہو جاؤ۔

بادشاہ کی یہ عنایت دیکھ کر زرگر بہت خوش ہوا۔ اور اسی وقت اپنا وطن اور زن و فرزند چھوڑ کر بادشاہ کے پاس پہنچا تو بادشاہ نے اٹھ کر اس کی تعظیم کی۔ اور سونے کا خزانہ اس کے حوالے کر دیا۔ اور کہا کہ بے فکری سے ہمارے پاس رہو اور بادشاہوں کے لائق سونے کے زیورات اور برتن تیار کرو۔ چنانچہ وہ بڑی خوشی سے اپنے کام میں لگ گیا۔ بادشاہ نے اس کے کام پر بڑا اظہار خوشنودی کیا اور کہا کہ میں اس کے صلہ میں تمہیں اپنی خاص کنیز عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ وہی کنیز جو اس زرگر کے فراق میں سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی اسے دے دی۔ کنیز جب اپنے محبوب کے پاس پہنچی۔ تو اس کا دکھ درد سب جاتا رہا چھ مہینے میں وہ بالکل صحیح سلامت ہو گئی۔

اس کے بعد اس طبیب نے اس زرگر کے لیے ایسا شربت تیار کیا۔ جسے پی کر وہ گھل گھل کر مر جائے۔ طویل بیماری کے سبب زرگر کا رنگ روپ جاتا رہا۔ آنکھیں اندر کو گھس گئیں۔ چہرے کی سرخی جاتی رہی مردنی چھا گئی۔ یہ حالت دیکھ کر کنیز کی محبت بھی رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ چنانچہ جب زرگر نے جان دی۔ کنیز کا دل اس کے عشق سے خالی ہو چکا تھا۔

اس ترکیب سے طبیب نے کنیز کے مرض عشق کا علاج کیا۔ اور اسے تندرست کر کے بادشاہ کے دل کو مسرور اور آنکھوں کا نور بنا دیا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ظاہری صورت کا عشق آخر کار بدنامی اور بے عزتی کا موجب اور معشوق کا رنگ و روغن اس کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ مور کے لیے اس کے خوبصورت پر ہلاکت آفرین ہیں۔ آہوئے ختن کو شکاری مشک حاصل کرنے کے لیے مارتے ہیں۔ لومڑی کو پوستین کے لیے ہلاک کیا جاتا ہے۔ ہاتھی کا خون ہاتھی کے دانت کے لئے بہاتے ہیں۔ پس عشق

اسی کا سزاوار اور سود مند ہے۔ جو زندہ و پائندہ ہے۔ یعنی اللہ کا شکر۔

ایک چمار عطر فروشوں کے بازار میں

ایک چمار عطاروں کے بازار میں سے گزرا۔ اس کا دماغ بدبو سے مانوس تھا۔ خوشبو نے اسے بے ہوش کر دیا۔ اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ ادھر ادھر سے لوگ دوڑے آئے۔ ہر ایک اس کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا۔ کوئی اس کے دل پر ہاتھ ملنے لگا۔ کوئی اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلوؤں کو سہلانے لگا۔ کوئی اس کا سر دبانے لگا کسی نے نجور و عود سلگا کر اسے سنگھایا اور کسی نے گلاب چھڑکنا شروع کر دیا۔ کوئی کہتا تھا۔ اس کے سانس کی طرف دیکھو۔ کوئی کہتا تھا۔ اس کا منہ سونگھو۔ اس نے شراب پی ہے یا بھنگ نوشی کی ہے۔ ایک دوڑا دوڑا گیا اور اس کے بھائی کو بلا لایا۔ بھائی نے پوچھا وہ کہاں بے ہوش پڑا ہے۔ جواب ملا عطر فروشوں کے بازار میں۔ بھائی سمجھ گیا کہ بے ہوشی کی وجہ کیا ہے۔ وہ تھوڑا سا کتے کا گوں آستین میں چھپا کر لایا۔ لوگوں سے کہا کہ اس کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ مجھے اس کی بیماری کا پتہ ہے۔ جب مرض کی تشخیص ہو جائے تو علاج آسان ہو جاتا ہے۔

بھائی نے دل میں کہا۔ کہ اس کا دماغ رات دن بدبو سونگھنے کا خوگر ہے۔ عطر کی خوشبو نے اسے بیہوش کر دیا۔ قرآن شریف میں صاف مذکور ہے کہ خبیثات خبیثوں کے لیے اور طیبات طیبوں کے لیے ہیں۔

کافروں کو وہی عطر ناخوشگوار معلوم ہوا۔ اور انہوں نے پیغمبر سے کہا ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ یہ لوگ لہو لعب میں پلے تھے۔ پیغمبر کی نصیحت ان کو بری معلوم ہوتی تھی۔ اسی طرح چمار نے بدبو میں نشوونما پائی تھی۔ جب وہ عطر فروشوں کے پر خوشبو بازار میں سے گزرا بیہوش ہو کر گر پڑا۔ چمار کا بھائی خلقت کو پاس سے ہٹا کر بیہوش کے قریب پہنچا اور اپنا منہ اس کے کان پر لگا دیا۔ گویا کہ وہ کچھ افسوں پھونک

رہا ہے۔ مگر دراصل وہ سرگین سگ جو اس نے اپنی ہتھیلی میں مل لیا تھا اسے سنگھا رہا تھا۔ جونہی بدبو اس کے دماغ میں پہنچی تو وہ ہلنے لگا۔ اور آخر ہوش میں آگیا۔ لوگوں نے اسے بھائی کی کرامت سمجھا کہ اس نے مردے کو جلا دیا۔

جن اشخاص کو نصیحت کی خوشبو ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے وہ اس کیڑے کی طرح ہیں جس نے گندگی میں پرورش پائی۔

ایک صوفی اور اس کا گدھا

ایک صوفی صاحب سواری کے لیے گدھا لئے سفر کو نکلے شہر میں پہنچے۔ اور صوفیوں کی ایک خانقاہ میں ڈیرہ جا جمایا۔ گدھے کی خوب اچھی طرح مالش کی۔ اور اسے دانہ چارہ کھلا کر خانقاہ کے پاسبان سے کہا کہ اس کی نگہبانی کرنا۔ اس نے کہا میرا کام ہی اور کیا ہے۔ خانقاہ کے صوفی بڑے خوش باش اور فیاض تھے۔ مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کیا کرتے۔ ہر صوفی دعوت احباب میں اپنا مال بے دریغ خرچ کر دیتا۔ وہ سب ایک دوسرے کے مال کو اپنا مال تصور کرتے۔ اور دوئی کو اخوت کے لیے تیغ براں سمجھتے۔ جس دن یہ مسافر صوفی وارد ہوا خانقاہ میں صوفیوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ انہوں نے بے تکلفی سے گدھا بیچ کر دعوت کا سامان کیا اور سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ رات کو جب مجلس حال و قال منعقد ہوئی تو حاضرین کو بڑا وجد آیا اور صوفی رقص کرنے لگے۔

خانقاہ کے شیخ کے منہ سے گدھے والے صوفی کو دیکھ کر بے ساختہ نکلا "گدھا گیا ہاں گدھا گیا۔ ہاں گدھا گیا" یہ سن کر تمام صوفی رونے لگے۔ اور سب نے یہی مصرعہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس نے مجلس کو خوب گرمایا۔ گدھے والے پر بھی اس کا اثر ہوا۔ اور وہ بکمال رقت "خر برفت و خر برفت و خر برفت" پڑھنے لگا۔

صبح کو جب محفل ختم ہوئی تو صوفی صاحب زین و لگام لے کر اصطبل کو گئے دیکھا

کہ گدھا گم ہے۔ پاسبان سے پوچھا کہ گدھا کہاں ہے۔ جواب ملا وہ تو دعوت میں اڑ گیا۔ صوفی لاٹھیاں لیکر میرے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ اور اسے کھول کر لے گئے۔ میں نے آپکو اطلاع کرنے کا ارادہ کیا۔ تو انہوں نے مجھے مشکیں کس کر ڈال دیا۔ جب میں رہا ہوا اور آپ کو اطلاع دینے گیا تو آپ کو بھی مجلس میں "خر برفت" پڑھتے اور روتے دیکھا۔ میں نے سمجھا کہ آپ کو اس کا پہلے علم ہے۔ صوفی نے جواب دیا کہ میں تو ان کے ساتھ یہ سمجھ کر ہم نوا ہوا۔ کہ اس مصرعے میں بھی کوئی صوفیانہ رمز ہو گی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ مسخرے مجھے بنا رہے ہیں۔ آہ میں نے جاہلوں کی تقلید کی اور اس کی سزا پالی۔ ایسی جاہلانہ تقلید پر خدا کی لعنت۔

معاملات شرعی میں آئمہ دین کی تقلید واجب ہے مگر جاہلوں کے افعال کی تقلید کرنا نہایت مذموم ہے۔

غم روزی سے لاغر ہونے والی گائے

ایک سرسبز جزیرے میں ایک گائے ہے اس کا معمول ہے کہ وہ صبح سے لے کر شام تک گھاس چرتی ہے اور خوب موٹی تازی ہو جاتی ہے۔ تمام گھاس شام تک ختم ہو جاتی ہے۔ وہ رات بھر متفکر رہتی ہے۔ کہ میں صبح کو کیا کھاؤں گی۔ اسی غم میں وہ صبح تک سوکھ کر کانٹا ہو جاتی ہے۔ سویرے اٹھ کر پھر جنگل کو سرسبز پاتی ہے اور یہ جوع البقر کی مریضہ بڑی حرص سے چارہ کاٹ کاٹ کر پیٹ میں ڈالتی جاتی ہے۔ تا آنکہ سورج ڈوبنے تک تمام مرغزار چر جاتی ہے۔ پھر اسے وہی غم روزی لاحق ہو جاتا ہے۔ جو صبح تک اسے گھلا گھلا کر بال کی طرح دبلا پتلا کر دیتا ہے۔ اسی حالت میں اسے کئی سال گذر گئے۔ وہ بالکل نہیں سوچتی کہ کسی دن بھی بھوکی نہیں رہی۔ مگر وہ بے وقوف پھر رات کو فکر سے لاغر ہو جاتی ہے۔

کچھ سمجھے کہ اس قصہ گائے کی تان کہاں ٹوٹتی ہے۔ آؤ سنو مولاناؒ کیا فرماتے

ہیں۔ گائے سے مراد انسان کا نفس ہے اور جنگل سے مراد یہ دنیا۔ نفس روٹی کی فکر میں گھلا جاتا ہے کہ میں کل کیا کھاؤں گا۔ اور نہیں دیکھتا کہ وہ رزق کھا کھا کر اتنا بڑا ہوا ہے۔ اس کے کھانے سے رزق کم ہوا ہے نہ ہو گا۔ اسے زمانہ ماضی پر دھیان کرنا چاہیے۔ کہ جس نے اب تک دیا ہے۔ آئندہ بھی دے گا۔

ایک بہرہ اور ہمسایہ کی عیادت

ایک بہرے کا ہمسایہ بیمار ہو گیا۔ کسی نے کہا بھائی! تم نے سنا نہیں کہ تمہارا ہمسایہ بیمار ہے۔ جاؤ اس کی بیمار پرسی کر آؤ۔ کیونکہ بیمار کی عیادت کو جانا سنت نبویؐ ہے۔ اس سماعت سے بے بہرہ شخص نے دل میں کہا۔ میں سن تو سکتا نہیں بیمار کی بات کیا سمجھوں گا۔ ہمسایہ مدت کا بیمار ہے۔ اس کی آواز بھی کمزور پڑ گئی ہو گی۔ خیر جانا ضرور چاہیے۔ جب اس کے لب ہلیں گے میں سمجھ لوں گا کہ اس نے میرے ساتھ گفتگو شروع کر دی۔ میں پوچھوں گا۔ کیا خبر ہے؟ وہ کہے گا اچھا ہوں۔ میں کہوں گا الحمد للہ۔ پھر میں دریافت کروں گا کہ کونسی دوا اور غذا کھاتے ہو۔ وہ بتائے گا فلاں شربت۔ فلاں دوائی استعمال کرتا ہوں۔ میں کہوں گا۔ یہ بہت اچھی چیزیں ہیں۔ پھر میں پوچھوں گا۔ کونسا طبیب علاج کرتا ہے۔ وہ کسی کا نام لے گا۔ میں کہوں گا وہ بڑا مبارک قدم ہے۔ جہاں جاتا ہے کام ٹھیک ہو جاتا ہے۔ میں نے بھی اسے آزمایا ہے۔ اس کے قدم میں برکت ہے۔

یہ سوالات اور جوابات ذہن میں پختہ کر کے بہرہ بیمار کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ بیمار کو یہ ناگوار گزرا۔ اس کی پہلے بھی اس سے کچھ موافقت نہ تھی۔ مریض کے ہونٹ جو ہلے تو بہرے نے جھٹ سلسلہ گفتگو شروع کر دیا۔ اور پوچھا کیا حال ہے؟ بیمار بولا مر رہا ہوں۔ بہرے نے کہا اللہ کا شکر اور احسان ہے۔ مریض یہ کلمہ سن کر بڑا ملول ہوا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ واقعی میرا

دشمن ہے۔ پھر سوال ہوا غذا اور دوا کیا ہے ؟ بیمار جھنجلا کر بولا۔ زہر۔ بہرے نے کہا۔ یہ بڑی خوشگوار چیز ہے۔ یہی کھاتے رہو۔ خدا مبارک کرے۔ اس سے مریض اور بھی بگڑا۔ اب تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ شخص میرا جانی دشمن ہے تیسرا سوال بہرے نے معالج کے متعلق کیا۔ بیمار نے کہا۔ عزرائیل (ملک الموت) کے زیر علاج ہوں بہرا بولا کہ وہ تو بڑا ہی اچھا طبیب ہے۔ جہاں اس کا قدم جاتا ہے مصیبت کٹ جاتی ہے۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ کہ ایسا اچھا معالج ملا ہے۔ میں ابھی اس کے پاس تمہاری سفارش کر کے آیا ہوں کہ وہ علاج اچھی طرح کرے۔

یہ کھیل ختم کر کے بہرہ وہاں سے رخصت ہوا۔ وہ دل میں بڑا خوش تھا کہ بیمار پرسی خوب اچھی طرح کر آیا ہوں۔ مگر اپنے بہرہ پن کی وجہ سے اسے دوسرے کی ناراضگی کا پتہ نہ لگا۔ اس کا ہر کلمہ مریض کے لیے سوہان جان تھا۔ مگر اس نے اسے خوشگوار قیاس کیا۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ دنیاوی اغراض کے لیے عبادت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے نیکی کی ہے۔ وہ اس بہرے کی طرح ہیں جس نے اپنے دل میں سمجھ لیا کہ میں نے بیمار کی خیر خواہی کی مگر فی الحقیقت اس نے رنجور کو اپنا دشمن بنا لیا۔

غلے والا گنوار اور علم والا نادار

ایک اعرابی اونٹ پر کچھ لادے جا رہا تھا کہ اسے ایک مفلس عالم صاحب راہ میں ملے اور بعد از سلام اور دریافت حال وطن یوں گویا ہوئے۔

عالم صاحب۔ اعرابی! ہر دو جوال (گون) میں کیا بھر رکھا ہے؟

اعرابی۔ حضرت ایک گون میں ریت ہے دوسری میں گندم۔

عالم صاحب۔ رمل (ریگ) کس لیے ڈالی ہے؟

اعرابی۔ وزن پورا کرنے کے لیے

عالم صاحب۔ بھائی تم نے نا حق اونٹ کو بوجھ سے مار دیا۔ ریت والی گون خالی کر دو۔ اور دوسری طرف سے نصف گندم نکال کر اس میں ڈال دو۔ وزن برابر ہو جائے گا۔

اعرابی۔ اے دانا آدمی اشاباش تم نے خوب عقل کی بات بتائی اعرابی کے دل میں رحم آیا کہ اسے اونٹ پر بٹھا لینا چاہیے۔ مگر اس ارادہ کو پورا کرنے سے پیشتر اس نے کچھ اور حالات دریافت کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ وہ بولا جتنے عقل مند تم ہو اس سے مجھے گمان ہے کہ تم اول تو بادشاہ ورنہ وزیر تو ضرور ہو گے۔

عالم صاحب۔ میں نہ بادشاہ ہوں نہ وزیر۔ بلکہ ایک معمولی آدمی ہوں کیا تم میرا حال اور کپڑے نہیں دیکھتے؟

اعرابی۔ تمہارے پاس کتنی گائیں اور کتنے اونٹ ہیں؟

عالم صاحب۔ اونٹ ہیں نہ گائیں۔

اعرابی۔ پھر تم دکاندار ہو گے کہو دکان میں کس قسم کا مال ہے؟

عالم صاحب۔ نہ میری کوئی دکان ہے نہ مکان۔ کوئی کام نہیں ملتا۔ اس لئے روٹی کپڑے کا محتاج ہوں۔

اعرابی۔ تمہارے پاس نقد روپیہ تو ضرور ہو گا۔ اس وقت پاس نہ ہو مگر گھر تو رکھا ہی ہو گا۔ تم اتنی بڑی عقل کے مالک ہو کہ تم جیسا کوئی اور شاید ہی ہو۔ پس تم نے یقیناً جوہر عقل و دانش سے بہت سا مال جمع کیا ہو گا۔

عالم صاحب۔ اے بھائی اعرابی الیقین جان کہ واللہ۔ میرے پاس رات کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ ننگے سر اور ننگے پاؤں جا رہا ہوں تا کہ کہیں سے روٹی ملے مجھے اس حکمت اور فضل و ہنر سے خیال اور درد سر کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔

اعرابی۔ جب یہ حال ہے تو تم بڑے منحوس ہو۔ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ تا کہ تمہاری بدبختی کا سایہ مجھ پر نہ پڑے۔ تمہاری حکمت منحوس۔ تمہارا علم بھی منحوس۔ تم ادھر جاؤ۔ میں ادھر جاتا ہوں۔ اگر تم کو آگے جانا ہے۔ تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

مجھے اتنی عقل ہی کافی ہے کہ ایک گون میں گندم بھرلوں اور دوسری میں ریت۔ تم جیسی بھوکا مارنے والی بڑی عقل مجھے درکار نہیں۔ میں احمق ہوں مجھے میری احمقی مبارک کہ آسودگی سے تو گزارہ کرتا ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ شقاوت (بدبختی) دور ہو تو کوشش کرو کہ تمہاری دانائی کم ہو جائے۔ لو اسلام علیکم الوداع یہ کہہ کر اعرابی اونٹ دوڑا کر عالم سے اس طرح بھاگا۔ جس طرح دانا احمق سے گھبرا کر دوڑتا ہے۔ یا رزاق تیری بے نیازی کے قربان نادانوں کو تو داناؤں سے پہلے روزی پہنچاتا ہے۔ اگر عقل پر روزی کا مدار ہوتا تو بے عقل بھوکے رہتے تو سب کا یکساں روزی رساں ہے۔

انسان اور ریچھ کی دوستی

ایک بہت بڑا اژدھا ریچھ کو منہ میں لئے اپنے غار کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ ریچھ کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ مسلمان جب کسی کو تکلیف میں دیکھتا ہے تو وہ بے تاب ہو جاتا ہے۔ اور اسے رہائی دلا کر دم لیتا ہے۔ ایک مسلمان نے ریچھ کو جتلائے مصیبت دیکھ کر اسے چھڑانے کا عزم کرلیا۔ اور کسی تدبیر سے اسے اژدھا کے منہ سے نجات دلا دی۔ ریچھ اس مسلمان کا بڑا احسان مند ہوا۔ اور دل و جان سے اس کا غلام بن گیا۔ کتے کی طرح اس کے ساتھ لگا رہتا۔ اور اسے کسی طرح بھی تکلیف نہ پہنچنے دیتا۔ جب یہ تھک کر سو جاتا تو ریچھ پہرہ دار بن کر کھڑا رہتا۔

ایک شخص نے اسے ریچھ کے ساتھ رہتے سہتے دیکھ لیا۔ اور پوچھا بھائی تیرا اس سے کیا رشتہ ہے؟ جواب ملا کوئی رشتہ نہیں میں نے اسے اژدھا کے منہ سے چھڑایا تھا۔ یہ میرا مطیع بن گیا۔ اس شخص نے کہا بھائی ناجنس اور بے وقوف کی صحبت اچھی نہیں انسان و حیوان کا میل ملاپ نہایت نامناسب ہے۔ حیوان کا ساتھ چھوڑ کر انسانوں میں بود و باش رکھ۔ ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہو گا۔

وہ سادہ لوح بولا۔ ناصحا۔ اپنی راہ لے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ تیری نیت میں خلل معلوم ہوتا ہے۔ یہ کورا جواب سن کر وہ خیر خواہ لاحول پڑھتا ہوا رخصت ہو گیا۔ ایک دن وہ مسلمان جنگل میں سو رہا تھا اور ریچھ پاس بیٹھا مکھیاں ہٹا رہا تھا۔ ایک مکھی بڑی ضدی تھی۔ وہ اسے اڑاتا مگر وہ اڑ کر پھر مسلمان کے منہ پر آ بیٹھتی تھی۔ اس سے ریچھ بڑا زچ ہوا۔ اس نے اسے کچل کر مار دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ وہ اٹھا اور ایک بڑا پتھر مکھی پر دے مارا۔ جو مسلمان کے منہ پر اس سختی سے پڑا کہ اس کا سر پاش پاش ہو گیا۔ اور وہ زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔

نادان دوست دشمن سے بھی برا ہوتا ہے۔ جس کسی کے ہم نشین برے ہوں وہ آخر کو تباہ ہو جاتا ہے۔ نفس کی دوستی کے بارے میں ذکر

راہ میں سویا ہوا شخص اور سپاہی

ایک سپاہی اپنے گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص راستے میں پڑا غافل سو رہا ہے۔ اور اس کا منہ کھلا ہے۔ ایک چھوٹا سانپ اپنے کسی دشمن کے خوف سے دوڑتا ہوا آیا۔ اور اس سوئے ہوئے شخص کو بل سمجھ کر اس کے منہ میں گھس گیا۔ سوار نے یہ ماجرا دیکھا تو اس نے سوچا کہ سانپ کو اس کے پیٹ سے کسی طرح نکالنا چاہیے فوراً اسے ایک ترکیب سوجھی اس نے گھوڑے سے اتر کر اس نادان غافل کی گدی پر چند مکے تان کر لگائے وہ بلبلا کر اٹھا اور گھبرا کر بھاگا۔ پاس ہی سیب کے چند درخت تھے وہاں جا کر ٹھہر گیا۔ سوار بھی فوراً سر پر پہنچا اور بولا اے بے وقوف اگر تو اپنی خیر چاہتا ہے تو جس قدر درختوں کے نیچے بوسیدہ سیب گرے پڑے ہیں ان کو کھا لے۔ ورنہ میں ابھی تلوار سے تیرا کام تمام کر دوں گا۔ وہ کھانے لگ گیا۔ جب کھا کھا کر تھک گیا اور اس کے معدے میں گنجائش نہ رہی۔ تو سوار نے کہا اب میرے گھوڑے کے آگے آگے دوڑ۔ اگر کہیں دم لیا تو میں تجھے جان سے مار ڈالوں

گا۔ جب یہ دوڑتے دوڑتے تھک کر ذرا ستانے لگتا تو سوار تڑاق سے اس کے کوڑا رسید کرتا۔ وہ پھر بھاگتا۔ تا آنکہ وہ تھکان سے چور ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ حوالدار صاحب! میں نہ چور ہوں۔ نہ چور کا بھائی مجھے آپ کس جرم کے عوض عذاب دے رہے ہیں۔ سپاہی نے پھر دو تین ڈنڈے رسید کئے۔ اور کہا نوک دم بھاگ۔ بیچارہ پھر دوڑنے لگا۔ اس طرح تیزی سے بھاگنے سے صفرا ہیجان میں آیا۔ اور اسے قے پر قے آنے لگی۔ آخری قے جو زور سے آئی تو سانپ بھی ساتھ ہی باہر نکل آیا۔ جب اس نے سانپ کو دیکھا تو اس کو سمجھ آئی کہ سپاہی نے کس غرض سے اسے مارا پیٹا۔ اور دوڑایا بھگایا ہے۔ اس نے سوار کا دل و جان سے شکریہ ادا کیا۔ اور کہا خدا تجھے جزائے خیر دے کہ تو نے میری جان بچائی۔ تیری سختی چونکہ میرے لئے فائدے کے لیے تھی۔ اس لئے وہ عین نوازش اور مہربانی تھی۔

ماں باپ اور استاد جو لڑکے پر سختی کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں اس کے لیے مہربانی ہوتی ہے۔ مگر لڑکا اپنی نادانی کی وجہ سے اس کو برا مناتا اور بھاگتا ہے سعادت مند لڑکا وہی ہے جو ان کا حکم فوراً مان لے اور تعمیل سے گریز نہ کرے۔

"میں" کہنے والے کی نامرادی

ایک عاشق در معشوق پر پہنچا اور دستک دے کر بولا دروازہ کھولیئے۔ اندر سے آواز آئی۔ کون ہے؟ عاشق نے عرض کی میں ہوں نا خریدہ غلام۔ با چشم گریاں و سینہ بریاں حاضر ہوا ہوں کہ دیدار کی حاجت ہے۔

معشوق نے جواب دیا۔ میرے دوستوں میں کوئی <میں نہیں > تیری <میں سے" ابھی غرور کی بو آتی ہے تو ابھی عشق میں پختہ نہیں ہوا کچھ دنوں اور آتش ہجر سے خامی کو دور کر اور میں مٹا کر آ۔ عاشق نے سال بھر فراق یار میں حیران و سرگرداں پھر کر پھر معشوق کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر سے آواز آئی۔ ہمارے

دروازے پر کون ہے؟ جواب ملا کوئی نہیں آپ ہی ہیں۔ معشوق یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اسے اندر بلا لیا۔ اور بولا معاف کرنا کہ یہاں "دو میں" نہیں سما سکتے تھے۔ اب میں اور تو ایک ہو گئے لہٰذا نباہ ہو جائیگا۔

جو لوگ نام و نمود کے لیے کام شروع کرتے ہیں وہ فائز المرام نہیں ہو سکتے۔ کامیاب وہی ہوتے ہیں جو خالصتاً اللہ کا کام کرتے ہیں۔ خلوص دل سے جو کام ہو اس میں کامیابی بھی ہوتی اور نام بھی۔

ایک چور اور باغ کا مالی

ایک چور ایک باغ میں گھس گیا۔ ایک آم کے پیڑ پر چڑھ کر اس نے اسکی شاخوں کو اس قدر ہلایا کہ تمام آم نیچے گر پڑے۔ اتفاقاً باغبان بھی آگیا۔ اور چور کو دیکھ کر کہنے لگا۔ کچھ خدا کا خوف کرنا چاہیے تجھے آخر مرنا ہے اور پھر حساب کتاب کیلئے قیامت کے دن اٹھنا ہے۔ خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ چور بولا۔ تم کون ہو؟ یہ باغ خدا کا ہے اور میں کھاتا ہوں۔ اس کے حکم کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہلتا تجھ میں نری جہالت ہے۔ عقل نام کو بھی نہیں باغبان نے یہ سنکر دل میں کہا چور بڑا منطقی ہے۔ میں اسی کی منطق میں ایسا جواب دونگا کہ عمر بھر کبھی نہ بھولے گا۔

باغبان بولا حضرت نیچے آئیے۔ ہم پر کرم فرمائیے۔ آپکی صحبت غنیمت ہے۔ مدت کے بعد آپ جیسا بزرگ ملا ہے جس نے توحید کا نکتہ حل کر دیا ہے۔ پیر و مرشد تشریف لائیے۔ اور ہمیں راہ نجات دکھائیے۔ چور نیچے اتر آیا۔ باغبان نے اسے وہیں پکڑ لیا اور آم کے درخت سے خوب مضبوطی سے باندھ کر پہلے مکوں سے اس کی تواضع کی جب تھک گیا تو لاٹھی سے اس کی خوب مرمت کی۔ جب مار نے چور کو ڈھیلا کر دیا۔ تو لگا فریاد کرنے کہ اے ظالم! خدا سے ڈر۔ میں نے تیرا کیا نقصان کیا ہے کہ بے گناہ یوں بے دردی سے پیٹ رہا ہے۔

باغبان نے ہنس کر جواب دیا۔ حضرت اتنی جلدی اپنا دعویٰ بھول گئے۔ کیا اس لاٹھی کو خدا نے پیدا نہیں کیا؟ کیا مارنے والا ہاتھ اور مار کھانے والا جسم خدا کا ہی پیدا کردہ نہیں ہے۔ آپ کیوں ناحق گلہ کرتے ہیں۔ اس میں آپ کا کیا نقصان ہے۔ اس کے حکم کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ یہ آپ کی فریاد جاہلانہ ہے۔ چور نے کہا۔ میں نے بکواس کی۔ جھک ماری۔ مجھے اب چھوڑ دو۔ آئندہ میں کبھی ایسی بات منہ سے نہ نکالوں گا۔

جو لوگ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ (معاذ اللہ) خدا ہی کی طرف سے ہے وہ بیہودہ بکتے ہیں۔ اللہ محض خیر ہے۔ شر اس کی پاک ذات سے دور ہے۔ انسان مختار ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے۔ اپنی ذمہ داری پر کرتا ہے۔ اور اس کا وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہوگا۔

نصوح کی توبہ

ایک شخص نصوح نامی تھا۔ اس کی شکل و صورت اور آواز بالکل عورتوں جیسی تھی۔ وہ لباس بھی زنانہ پہنتا جب گھر سے باہر نکلتا۔ چادر سربند اور نقاب پہن کر نکلتا۔ اس نے زنانہ حمام میں دلالی کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ وہ امیرزادیوں کو نہلایا کرتا تھا۔ اس زبوں فعل پر اس کے ضمیر نے اسے بارہا ملامت کی اور وہ تائب بھی ہوا۔ مگر اس کا سرکش نفس اس کی توبہ کو شکست دے دیتا۔

ایک دن نصوح ایک بزرگ کے پاس گیا اور التجا کی کہ یا حضرت میرے حق میں دعائے خیر کریں۔ بزرگ نے صفائے قلب سے اس کی زبوں حالت کا مشاہدہ کر لیا۔ مگر حلم سے کام لیا۔ اور اسے نہ جتایا کہ تم نے کیسا برا کام اختیار کر رکھا ہے۔ خدا رسیدہ مردوں کا دل گنجینہ راز ہوتا ہے۔ مگر اپنے لبوں پر قفل لگائے رکھتے ہیں وہ خدائے ستار کے بندے لوگوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ پردہ دری نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ جس کے

سینوں کو اسرار کے گنجینے بنا دیتا ہے۔ ان کے منہ پر خاموش کی مہر لگا دیتا ہے۔

بزرگ نے نصوح کی درخواست دعا سن کر تبسم فرمایا اور کہا اللہ تعالیٰ تجھے پکی توبہ عطا کرے۔ عارف کی دعا عام لوگوں کی دعا کی طرح نہیں ہوتی۔ اور وہ لب سے نکلتے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ اجابت حاصل کرلیتی ہے۔ نصوح وہاں سے رخصت ہو کر جب حمام میں آیا تو بادشاہ کی بیٹی نہانے آئی۔ خدا کی قدرت اس کا ایک قیمتی موتی کھو گیا۔ جو معمولی تلاش پر نہ ملا آخر فیصلہ ہوا کہ حمام کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اور تمام عورتوں کے کپڑے اتار کر تلاشی لی جائے۔ یہ حالت دیکھ کر نصوح خوف سے ایک طرف کونے میں جا پڑا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اور ہونٹ نیلے پڑ گئے۔ اسے دکھائی دے رہا تھا۔ کہ اب پردہ فاش ہو گا۔ اور جان سے مار ڈالا جاؤں گا۔

وہ درخت کے پتوں کی طرح لرز رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! میں جتنا گنہگار ہوں اور کوئی نہ ہو گا۔ کاش مجھے میری ماں نہ جنتی یا مجھے کوئی شیر پھاڑ کھاتا۔ تا کہ میری جان ایسا دردناک عذاب نہ اٹھاتی جو اس وقت لاحق ہے۔ یا اللہ جو مجھ بدکردار کے شایاں نہ تھا میں نے کیا تو وہ کر جو تیری شان ستاری کے لائق ہے۔ میں بارہا توبہ کرتا اور توڑتا رہا۔ اس دفعہ مجھے ذلت و رسوائی سے بچالے تو میں پھر کبھی اس حمام میں نہ گھسوں گا۔

وہ اسی آہ و زاری میں تھا کہ آواز آئی کہ اے نصوح اب تیری باری ہے۔ تلاشی دینے کے لیے تیار ہو جا۔ یہ آواز سن کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب وہ خودی سے گزر گیا تو اللہ کی رحمت جوش میں آگئی۔ فوراً ایک شاہی کنیز نے آواز دی کہ گوہر نایاب مل گیا۔ اب کسی کی تلاشی نہ لو۔ موتی مل جانے کا مژدہ سن کر تمام حمام والوں نے خوشی کا نعرہ مارا جس کی آواز سے نصوح کو بھی ہوش آگیا۔ اس کے پاس سب عورتیں دوڑی آئیں۔ کہ نصوح ہمیں معاف کر دے۔ ہم نے ناحق بدگمانی کر کے گناہ غیبت مول لیا۔

اصل بات یہ تھی کہ شہزادی کی خدمت خاص نصوح سے متعلق تھی۔ اور جتنا

قرب اسے حاصل تھا۔ اور کسی کو نہ تھا۔ اس لیے سب کا گمان غالب یہی تھا کہ موتی
سوائے نصوح کے اور کسی نے نہیں اڑایا۔ سب سے پہلے تلاشی اسی کی لینا چاہیے تھی
مگر اس کی رعایت کی گئی کہ اور جگہ تلاش جاری رکھیں تاکہ نصوح کو گھر پھینک دینے
کا موقع مل جائے۔ اور اسے رسوا نہ ہونا پڑے۔ اب عورتوں کا اس سے معافی مانگنا
محض دفع الوقتی کے طور پر تھا۔

نصوح نے دل میں کہا یہ مجھ سے کیا معافی طلب کرتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سب
سے زیادہ میں ہی مجرم ہوں میرے جرم یا مجھے معلوم ہیں یا میرے خدائے ستار کو۔ میں
نے پہلے ابلیس کی شاگردی اختیار کی مگر پھر میری شیطانیت کے سامنے شیطان کی
مکاریاں گرد ہو گئیں۔ اللہ میرے سب عیب دیکھتا ہے۔ اور پردہ پوشی کرتا رہا ہے۔
تاکہ میری نصیحت نہ ہو اب اس نے مجھے توبہ کی توفیق بخشی اور مجھے عذاب دوزخ سے
بچا لیا۔ میں کنویں میں پڑا غرق ہونے کو تھا۔ کہ میرے دل سے آہ نکلی۔ جس نے مجھے
رسے کا کام دیا اور میں چاہ سے نکل آیا۔ اب میں خدا کا جس قدر شکر ادا کروں کم
ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر میرا ہر بال زبان بن جائے پھر بھی مین اس کا شکر ادا
نہیں کر سکتا۔ الغرض حمام سے باعزت و آبرو رخصت ہو کر نصوح گھر آیا۔

اس کے گھر شہزادی نے کنیز بھیج کر اسے بلا بھیجا کہ اے نصوح! آ میرا سر دھو
جا۔ دل نہیں چاہتا کہ تیرے سوا کوئی اور ملے یا سر دھوئے نصوح بولا۔ اے کنیز!
شہزادی کی خدمت میں عرض کر دے کہ میرا ہاتھ بیکار ہو گیا ہے۔ کیونکہ میں بیمار
ہوں۔

اب یہ خدمت کسی اور کے سپرد کر دیں اور دل میں کہا کہ میں خدا خدا کر کے
موت کے منہ سے چھوٹا ہوں۔ اب میں نے خدا کو حاضر ناظر جان کر دل و جان سے توبہ
کر لی ہے۔ خواہ میری جان بھی جائے میں توبہ نہیں توڑونگا۔ چنانچہ وہ توبہ پر قائم رہا۔
اور پھر اس نے کبھی حمام اور شاہزادی کی طرف جانے کا نام نہ لیا۔

نصوح نے سچے دل سے توبہ کی خدا نے اس کی عزت رکھ لی۔ اور اس کی توبہ

ضرب المثل بن گئی۔ سچ ہے جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے خدا اسکو خواری و ذلت سے بچا لیتا ہے۔

ایک بڑھیا اور سنار

ایک سنار کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کہا۔ بیٹا مجھے ذرا اپنا کانٹا دو۔ مجھے گھر لے جا کر سونا تولنا ہے۔ سنار نے کہا اماں میرے پاس چھلنی نہیں۔ بڑھیا بولی بیٹا مجھے ترازو درکار ہے۔ نہ کہ چھلنی۔ سنار بولا مائی! جھاڑو میرے گھر ہے۔ دکان پر نہیں۔ بڑھیا جھلا کر پکاری۔ شریر کہیں کا مجھ سے دل لگی کرتا ہے۔ کیا تجھے خدا کا خوف نہیں وہ اس بات پر قادر ہے کہ تجھے مجھ جیسا کمزور کر دے۔ اور تیری جوانی مجھے دے دے۔ اگر تو بہرہ ہے تو میں با آواز بلند کہتی ہوں۔ کہ مجھے کانٹا چاہیے کانٹا چھلنی اور جھاڑو کی ضرورت نہیں۔ سنار نے کہا۔ اماں میں نے سن لیا۔ جو تو نے کہا کہ تجھے سونا تولنے کے لئے کانٹا چاہیے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیرے ہاتھ میں سونے کے ریزے پڑیا میں بند ہیں۔ تجھے رعشہ کا عارضہ ہے۔ تو وہمی بھی ہے۔ تیری نظر بھی کمزور ہے مجھے یقین ہے کو جب تو تولنے لگے گی تو تیرے ہاتھ سے سونے کے ریزے ادھر ادھر گر پڑیں گے جو تجھے نظر نہیں آئیں گے۔ پھر انہیں اکٹھا کرنے کے لیے تو جھاڑو تلاش کرے گی اور خاک اکٹھی کر کے اسے چھلنی میں چھانے گی۔ پھر مجھے بلائے گی کہ بیٹا آکر دیکھنا کہ کوئی ریزہ تو نہیں رہ گیا۔ مجھے اتنی فرصت نہیں کہ اس بکھیڑے میں پڑوں۔ اماں معاف کیجئے میں کانٹا نہیں دے سکتا۔

انسان کو چاہئے کہ کوئی کام کرنے سے پہلے اس کا انجام سوچ لے۔

ایک تھوڑدلے پہلوان کی کہانی

اہل قروین میں یہ بڑا رواج تھا کہ وہ جسم گودتے اور اس پر تصویریں بنواتے تھے۔ اس جگہ کا ایک پہلوان حجام کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میرے جسم پر بھی تصویر بنا دے۔ اس نے پوچھا کس کی تصویر۔ بولا میں شیر پہلوان ہوں۔ میرا طالع بھی اسد ہے۔ میرے شانے پر شیر ہی کی تصویر سجے گی۔

نائی نے ابھی سوئی لیکر گودنا شروع ہی کیا تھا۔ کہ پہلوان پکارا اف ظالم نے مار ڈالا۔ نائی ! ٹھہر جا۔ پہلے مجھے بتا تو شیر کا کونسا عضو گود رہا ہے؟ نائی نے جواب دیا صاحب دم بنا رہا ہوں۔ تم اسقدر بے قرار کیوں ہوئے ہو ؟ کہا مجھ میں اتنی برداشت نہیں۔ دم نہ بنا۔ شیر بے دم زیادہ دلیر رہیگا۔ جب نائی نے پھر سوئی لگائی تو پہلوان پھر چلایا۔ اور پوچھنے لگا۔ استاد اب کونسا عضو بنا رہے ہو؟ میری جان نکلی جاتی ہے۔ تیرے ہاتھ میں سوئی نہیں نشتر ہے نائی بولا۔ صبر کر میں کان بنانے لگا ہوں۔ پہلوان نے کہا ہائے تو نے مجھے مار ڈالا کیا تو نہیں جانتا کہ کتے کے کان اس لیے کاٹ دیئے جاتے ہیں کہ اس کی صورت مہیب ہو جائے۔ ایسا شیر بنا جس کے کان نہ ہوں تا کہ دیکھنے والا اس کی صورت دیکھ کر ڈر جائے۔

نائی نے جب پھر سوئی سے کام شروع کیا تو پہلوان پھر چیخ کر پوچھنے لگا کہ اب کیا بنانے لگا؟ کہا شیر کا پیٹ۔ پہلوان بولا اگر شیر بے شکم بن جائے تو کیا ہرج ہے۔ نائی نے اس کی بزدلانہ بات سن کر سوئی پھینک دی۔ دوات توڑ دی اور کہا پہلوان تم بھی عجیب بزدل ہو۔ تم نے کبھی دیکھا یا سنا ہے کہ کوئی شیر دم ' کان ' اور شکم کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ تو سوئی کی نوک سے کانپتا ہے اور اپنے آپ کو شیر کہتا ہے۔ اس حوصلہ پر میدان جنگ کے خواب دیکھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

آدمی کو چاہیے کہ پہلے اپنے آپ کو اچھی طرح آزمائے اور پھر میدان میں آئے۔ تا کہ اسے وقت پر شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

ایک بودا ہتھیار بند سوار

ایک نوجوان مہیب صورت' نیزہ' تلوار اور ڈھال سے آراستہ جنگل میں گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ وہ ایک پیدل نحیف البدن شخص سے دو چار ہوا۔ جس کے پاس سوائے تیر و کمان کے اور کچھ نہ تھا۔ اس پیدل کو خوف پیدا ہوا کہ یہ گھوڑا سوار کہیں حملہ کر کے اس کا کام تمام نہ کر دے۔ اس لئے اس نے تیر کمان میں جوڑ کر سوار کی طرف نشانہ باندھا۔ سوار اپنے آپ کو نشانہ بنتا دیکھ کر پکار اٹھا خدا کے واسطے مجھے نہ مار۔ مجھے موٹا تازہ دیکھ کر خوف نہ کھا۔ میں لڑائی میں بوڑھی عورت سے بھی کمزور ہوں۔ پیدل نشانہ انداز بولا۔ تو نے بروقت بتا دیا۔ ورنہ میں اپنی حفاظت کے لئے تجھے ایک منٹ میں تیر مار کر گرا دیتا۔ اے بودے جوان! جب تو ہتھیار چلانے کی جرات نہیں رکھتا تو تو نے کس لیے انہیں اپنے جسم پر سجا رکھا ہے۔ گھر جا کر ان ہتھیاروں کو اتار ڈال۔ ورنہ یقین رکھ کہ ایک دن یہ تیری جان لے کر رہیں گے۔ تو شکر کر کہ تو نے بروقت اپنی کمزوری کا اظہار کر کے جان بچالی۔ اگر تو ذرا اکڑفوں کرتا تو پشت زین سے زمین پر سر کے بل گر کر رہ جاتا۔

جو شخص ہتھیار چلانے کی طاقت نہیں رکھتا اس کا ہتھیار لگائے پھرنا بے سود ہے۔

مسافر اور ہاتھی بچے کا گوشت

چند دوست باہر سے ہندوستان کی سیر کے لئے روانہ ہوئے۔ چلتے وقت انہیں ایک دانا دوست نے نصیحت کی کہ سفر میں بھوک اور پیاس کی تکلیف پیش آتی ہے۔

اور جنگلوں میں سے گزرنا پڑتا ہے کئی جنگل ہاتھیوں کے بھی ہیں۔ ان کے نوزائیدہ بچے نہایت خوش شکل اور موٹے ہوتے ہیں۔ ان کی ماں پاس ہی ان کی نگراں رہتی ہے۔ اگر وہ اس کی آنکھ سے اوجھل ہو جائیں تو وہ آہ و زاری سے آسمان سر پر اٹھا لیتی ہے۔ اور اس کی سونڈ سے آگ نکلنے لگتی ہے۔ اگر کوئی انہیں قتل کر دے تو وہ مارنے والے کو ڈھونڈ کر مار ڈالتی ہے۔ خبردار بھوک کی شدت میں ہاتھی کے کسی بچے کو لقمہ نہ بنانا۔ اگر تم نے فیل بچہ کو قتل کر کے بھون کھایا تو ہتھنی تمہیں زندہ نہ چھوڑے گی۔ گھاس پتے کھا کر گزارہ کر لینا۔ مگر ہاتھی کے بچے کو نہ مارنا۔

ناصح مشفق نے سلسلہ نصیحت جاری رکھتے ہوئے کہا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اگر تم نے طمع سے میری نصیحت پر عمل نہ کیا تو تمہاری جان کی خیر نہیں۔ لوگوں نے اس دانا کی بات اس کان سنی اور اس کان نکال دی اور جب وہ ہندوستان کے جنگل میں پہنچے تو خوراک کی نایابی اور بھوک سے نڈھال ہوئے تو ان کی ایک تازہ ہاتھی کے بچے پر نظر پڑی۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ اسے پکڑ کر ذبح کر ڈالا اور بھون کر کھا گئے۔ ان میں سے ایک نے درویش کی نصیحت کو یاد رکھا اور کباب کھانے سے باز رہا۔

گوشت کے خمار سے اور تو تمام مست ہو کر سو رہے اور جو بھوکا رہا تھا وہ پہرہ دینے لگا۔ ناگہاں ایک ہتھنی چیختی چلاتی ادھر آنکلی۔ پہلے اس نے اس بیدار ہوشیار شخص کا منہ سونگھا اور اس میں ناخوشگوار بو نہ پا کر اسے چھوڑ دیا۔ اور آگے بڑھی۔ پھر اس نے یکے بعد دیگرے دوسروں کو سونگھنا شروع کیا۔ ہر ایک کے منہ سے اسے اپنے بچے کے گوشت کی بو آئی۔ پس اس نے ایک ایک کو کچل کر مار ڈالا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اے خلقت کا خون پینے والے اس حرکت سے باز آ تاکہ ان کا خون تیرا گلو گیر نہ ہو۔ مال خون پسینہ ایک کر کے حاصل کیا جاتا ہے اسی لیے کسی کا مال ہتھیا لینا اس کا خون پینا ہے۔ دیکھو! جس طرح فیل کے بچے کو مار کر کھا جانے والے کیفر کردار کو پہنچے اسی طرح رشوت خور اور ظالم ڈاکو بھی کچلے جائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں لہٰذا انہیں ہمارے نیک و بد کی خبر ہوتی ہے۔ مولاناؒ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور کے مشام مطہر میں یہ طاقت ہے جیسا کہ آپ نے اپنے غائبانہ عاشق حضرت اویس ؓ قرنی کی یمن سے آرہی خوشبو پا کر فرمایا تھا کہ (لا جدنفخ الرحمن من قبل الیمن) سینکڑوں کوس دل کی کیفیت معلوم کر لیتے ہیں۔ لہٰذا اے حرام خور۔ تجھے رسول اللہ سے شرمانا اور مخلوق خدا کا خون پینے سے توبہ کرنی چاہیے۔ تیرے کبر اور حرص کی بو بوئے پیاز کی طرح چھپائے چھپ نہیں سکتی۔ اس حرام خوری کی وجہ سے تیری دعا قبول نہیں ہوتی اور رد کر دی جاتی ہے۔

ایک عطار اور اس کا طوطا

کسی شہر میں ایک عطار نے طوطا پال رکھا تھا۔ جو عام میاں مٹھو کی طرح نہ تھا۔ جو بات سکھا دی۔ دہرا دی۔ بلکہ وہ انسان کے بچے کی طرح سمجھ دار تھا۔ عطار کا دل میٹھی میٹھی باتوں سے خوش رکھتا اور جب عطار دکان سے غیر حاضر ہوتا تو وہ اس کی خوب اچھی طرح نگہبانی کرتا اور کسی کو کوئی چیز اٹھانے نہ دیتا تھا۔

ایک دن عطار غیر حاضر تھا۔ کہ ایک بڑی بلی دکان میں آگھسی۔ بلی کیا تھی شیر ببر کی بہن تھی۔ جتنے دکان میں چوہے تھے اس نے مار مار کر ڈھیر کر دیئے۔ یہ سماں دیکھ کر طوطا سہم گیا۔ اور خوف کی حالت میں پھڑ پھڑا کر پنجرے کی تیلیاں توڑ ڈالیں۔ اسی عالم بے خودی میں اس نے جو جستجو کی تو پنجرے کو لے اڑا۔ جس کی وجہ سے پنجرے کے پاس رکھے ہوئے روغن بادام کے شیشے ٹھیس لگ کر ٹوٹ گئے۔ اور روغن بہہ کر ضائع ہو گیا۔

عطار نے واپس آکر دیکھا کہ فرش تمام روغن بادام سے تربتر ہو رہا ہے۔ شیشے ٹوٹے پڑے ہیں قفس کی تیلیاں بھی سلامت نہیں۔ حیران رہ گیا۔ الٰہی یہ کیا ماجرا

ہے۔ اسی پریشانی کی حالت میں اس کے دل نے فیصلہ کیا کہ سب قصور طوطے کا ہے۔
پس غصہ میں آکر اس نے پنجرہ ہاتھ میں لیا۔ اور اسے زمین پر پٹخ دیا۔ اور مار مار کر
طوطے کا سر گنجا کر دیا۔ طوطا شرم اور رنج کے مارے گونگا بن گیا۔ اور قفس کے ایک
گوشہ میں دبک کر بیٹھ رہا۔ اس کی شیریں بیانی اور شکر فشانی بالکل جاتی رہی۔ اس کی
چپ سے مالک کا دل بھی گھبرایا۔ اور اپنے کئے پر پچھتایا۔ کہ میں نے کیوں اسے مار کر
خاموش کر دیا۔ اب لگا طوطے کو چوری کھلا کر خوش کرنے اور منتیں کرنے کہ اگر وہ پھر
بولنے لگ جائے تو میں اتنے روپے درویشوں کو بطور شکرانہ دونگا۔ اسی طرح تین دن
گزر گیئے۔ مگر طوطا نہ بولا۔

ایک دن عطار کے نصیب جاگے۔ ایک گنجے فقیر نے دکان کے پاس آکر صدا کی
کہ کر بھلا ہو بھلا۔ اس گنجے فقیر کی شکل دیکھ کر طوطے کو ہنسی آگئی۔ وہ قہقہہ مار کر ہنسا
اور پوچھنے لگا۔ اے سائیں مجھے بتا۔ تیرا سر کس طرح گنجا ہوا۔ سچ سچ کہنا کیا تو نے بھی
کسی عطار کے شیشے ٹھوکر مار کر توڑ ڈالے تھے؟ کیا تو نے بھی روغن بادام گرا دیا تھا۔
جس کی پاداش میں مار مار کر تیری چندیا پر سے بال اڑا دیئے گیئے۔

دکاندار طوطے کے پھر بولنے پر بہت خوش ہوا اس نے گنجے سائیں کو منت کا
روپے عطا کر دیا اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ تیرے آنے سے میرا پیارا طوطا پھر مہر
سکوت توڑ کر گویا ہوا۔ اور میری دکان کی رونق پھر قائم ہو گئی۔ مگر لوگ طوطے کے
قیاس پر بہت ہنسے کہ اس نے فقیر کو اپنے جیسا سمجھ لیا۔

مولاناؒ فرماتے ہیں اے نا سمجھ انسان اپنے پر بزرگوں کو قیاس نہ کر اور یہ کہہ
کہ وہ بھی بشر میں بھی بشر دیکھ۔ شیر اور شیر کے الفاظ ایک ہی طرح کے ہیں مگر ان کے
معنوں میں فرق ہے۔ شیر دودھ آدمی کی خوراک ہے۔ اور شیر آدمی کو بھی کھا جاتا
ہے۔ ایک عام ہرن ہے کہ گھاس کھا کر مینگنی نکالتا ہے۔ اور ایک ختن کا ہرن جو وہی
گھاس کھا کر مشک پیدا کرتا ہے۔ وہی روٹی کھا کر بندہ خرمستیاں کرنے لگتا ہے اور بندہ
خدا جہاد کرتا ہے۔ ایک کے جسم میں روٹی نے ظلمت کفر و طغیان پیدا کی اور دوسرے

میں نور رحمان۔

چڑی مار اور چڑیا

ایک چڑی مار نے ایک دن کھیت میں جا کر جال بچھایا۔ اور دانہ ڈالا۔ ایک چڑیا دانہ دیکھ کر جال میں پھنس گئی۔ چڑی مار نے اسی کو غنیمت سمجھا۔ اور جھٹ دوڑ کر اس کو قابو کر لیا۔

وہ چڑیا بڑی سیانی نکلی۔ خدا نے اس کی رہائی کے لیے اس کی زبان میں قوت گویائی پیدا کر دی۔ اس نے کہا اے شکاری! تو نے بڑے بڑے جانور شکار کیے۔ اور کھائے پھر بھی تو سیر نہ ہوا۔ چھوٹی سی چڑیا تیری بھوک کیا مٹا سکتی ہے۔ میرے پر الگ کر کے جو گوشت نکلے گا۔ اس سے تیرے پیٹ کا ایک کونہ بھی نہیں بھر سکتا۔ اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں تجھے تین ایسی مفید باتیں بتاؤں جو ہمیشہ تیرے کام آئیں۔ ایک بات تو تیرے ہاتھ پر ہی کہہ دونگی نصیحت کا دوسرا موتی تجھے اس وقت بتاؤنگی جب تو مجھے چھوڑ دیگا۔ اور میں دیوار پر جا بیٹھوں گی۔ تیسرا گوہر بلند شاخ درخت پر متمکن ہو کر تیرے کان میں ڈالوں گی۔

شکاری نے غور کیا کہ چڑیا سچ کہتی ہے۔ اسے کھا کر میری کیا بسر اوقات ہو گی۔ ہاں اس کی کام کی بات البتہ مفید ہو سکتی ہے بولا۔ چڑیا مجھے تیری شرائط منظور ہیں۔ یہ لے میں تجھے چھوڑتا ہوں۔ چڑیا اس کے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔ بھائی جو بات ان ہونی ہو۔ اس کا یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی کوئی بات سن کر سوچنا چاہیے کہ کوئی ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ نہیں۔ یہ کہہ کر وہ دیوار پر جا بیٹھی اور بولی۔

گئی گذری بات کا ذکر کرنا چاہیے نہ غم کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ الٹی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر چڑیا نے کہا اے شکاری تو بیشک بڑا بد قسمت ہے کہ میں تیرے ہاتھ سے نکل گئی۔ اگر تو مجھے ذبح کر کے پیٹ چاک کرتا تجھے اس میں

سے پاؤ بھر وزنی موتی ملتا۔ جس کی قیمت سے تیرے پوتروں تک خوش حال رہتے مگر جو چیز قسمت میں نہ ہو نہیں ملتی۔

یہ سن کر شکاری پچھتانے لگا اور کہنے لگا۔ اے عیار چڑیا تو نے مجھے دھوکا دیا اور میرے ہاتھ میں آئی ہوئی دولت نکل گئی۔ چڑیا نے یہ سنا تو کہا۔ چڑی مار تو بھی عجب احمق ہے کہ اس قدر جلد میری دونوں نصیحتوں کو بھول گیا۔ کیا یہ بات ان ہونی نہیں کہ میرا کل وزن تو چھٹانک بھر ہے اور اس میں پاؤ بھر کا موتی کیا یہ ممکن ہے؟ اگر بغرض محال اسے ممکن مان بھی لیں تو بھی تجھے دوسری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اس کا غم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جب میں تیرے ہاتھ سے نکل چکی ہوں تو اس کا غم فضول ہے۔

صیاد چڑیا کی بات سن کر بہت شرمندہ ہوا اور بولا کہ چڑیا تو نے سچ کہا۔ ہاں اب تیسری نصیحت کے پھول بھی برساتی جا۔ چڑیا نے دم ہلائی۔ ایک جھرجھری لی اور پھر یہ کہتی ہوئی اڑ گئی۔ کہ جو بے وقوف کسی کی نصیحت پر عمل نہ کرے اسے اور نصیحت کرنا فضول ہے۔

وہ خرگوش جس نے تدبیر سے شیر کو ہلاک کر دیا

ایک سرسبز جنگل کو ہر قسم کے جنگلی جانوروں نے اپنا گھر بنا رکھا تھا۔ وہاں انہیں اپنی خوراک با افراط میسر تھی۔ سب بے خوف و خطر شکم سیر ہو کر اچھلتے کودتے نظر آتے۔ نہ ہرنوں کو شیر اور چیتے کا خوف تھا نہ خرگوش کو بھیڑیے کا ڈر۔ کیونکہ وہ جنگل درندوں سے بالکل پاک تھا۔

قضا کار ایک اور جگہ سے ایک شیر کہیں اس جنگل میں آنکلا اس نے شکار کی کثرت دیکھ کر اس جگہ مستقل رہائش کا ارادہ کر لیا۔ وہ صبح و شام نکلتا اور شکار و تفریح میں بھی کئی ہرن اور گور خر مار گراتا کچھ کھاتا اور باقی یونہی بے کار گنواتا۔ جنگل

کے رہنے والے جانور اس سے بہت گھبرائے کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو ہمارا جلد خاتمہ ہو جائیگا۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم شیر کے ناشتہ کا خود ہی بندوبست کریں۔ تا کہ رائیگاں نقصان جان نہ ہو۔ یہ تجویز کر کے وہ ڈرتے ڈرتے شیر کے پاس حاضر ہوئے اور بولے۔ جہاں پناہ! حضور ہمارے بادشاہ ہیں اور ہم رعایا۔ رعایا کا فرض ہے کہ بادشاہ کی آسائش کا خیال رکھے۔ بندگان عالی کو اپنی خوراک مہیا کرنے کی تکلیف فرمانے کی حاجت نہیں۔ خوان شاہی کے لائق کھانا خود ہی حضور کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔ شیر نے کہا ہم ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کچھ کھانا حلال نہیں سمجھتے۔ پہلے کوشش اور پھر توکل ہمارا خاصہ ہے۔ حرکت میں برکت ہے ہمیں اللہ نے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ ہم ان سے کام لیں گے۔ اور غیر کا مارا نہیں کھائیں گے۔ جانوروں نے عرض کیا حضور کے پاس زندہ شکار مقررہ وقت پر پہنچ جایا کرے گا۔ آپ خود ہی اسے ماریں اور کھائیں کوئی شکار کر کے نہیں بھیجے گا۔ شیر نے کہا یہ ہمیں منظور ہے۔ الغرض جانور واپس چلے گئے۔ اور وہ ہر روز قرعہ ڈالتے۔ جس جانور کے نام قرعہ نکلتا اسے شیر کے پاس بھیج دیا جاتا۔ چونکہ اسے باقاعدہ کھانا مل جاتا اس لئے وہ ہوس ناکی نہ کرتا جانوروں کو ناحق نہ ستاتا۔

ایک دن قرعہ ایک بڑے ہوشیار خرگوش کے نام پڑا اس نے شیر کے پاس جانے میں بہت دیر کر دی۔ تمام جانور اسے سمجھانے لگے کہ بھائی! اپنے وعدے پر قائم رہنا چاہیے۔ اگر شیر کو وقت پر کھانا نہ ملا تو وہ غضب ڈھا دے گا۔ ہم سب کی جان ہلاکت میں پڑ جائیگی۔ خرگوش بولا میں شیر کو کیا سمجھتا ہوں۔ میں آج ہی اسے ہلاک کر دوں گا۔ جانوروں نے کہا اتنی شیخی نہ دکھا۔ "کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا" ارے اس کے آگے تو ہاتھی کا زہرہ بھی آب ہوتا ہے۔ گینڈے جیسا مضبوط جانور بھی اس کے پنجہ کی ضرب کی تاب نہیں لا سکتا۔ تجھ پر چھوٹا منہ بڑی بات کی مثل صادق اور تیرے بڑے بول پر ہنسی آتی ہے۔ جو تدبیر تو نے سوچی ہے ہمیں بھی بتا۔ تا کہ اس کا عیب و صواب روشن ہو۔

خرگوش نے کہا تم شیر کے خوف سے کیوں مر رہے ہو۔ دلیر بنو خدا چیونٹی سے ہاتھی کو مروا سکتا ہے۔ ہر فرعونے را موسیٰؑ میں ابھی جاتا ہوں اور اس کو ہلاک کر کے آتا ہوں۔ جو تدبیر میں نے سوچی ہے۔ وہ میں ابھی نہیں بتانا چاہتا۔ کیونکہ دیوار ہم گوش دارد، راز ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔

ادھر شیر کا حال سنو۔ اس کو وقت پر کھانا نہ ملا۔ وہ غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ طیش سے زمین پر پنجے مار مار کر اس نے زمین کھود ڈالی۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ اس کا منہ دیوانوں کی طرح جھاگ سے پر تھا۔ حالت غضب میں دم زمین پر مار رہا تھا۔ کہ خرگوش ہانپتا کانپتا اس کے پاس پہنچا اور یوں گویا ہوا۔ اے جنگل کے بادشاہ تم پر ہم سب کے سب جانور قربان۔ آج میں اور میرا ایک اور بھائی (خرگوش) خوان شاہی کی حاضری سے اپنی آبرو بڑھانے کے لیے روانہ ہوئے۔ راہ میں ایک اور شیر نے ہمیں گھیر لیا۔ ہم نے کہا۔ آپ ہمارے بادشاہ نہیں ہم اپنے شیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ وہ بولا۔ بادشاہ میں ہوں۔ تمہیں اور کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے کہا آپ ایسا نہ کہیں۔ ہمارا بادشاہ بڑا زبردست ہے آپ اس کا مقابلہ کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ وہ یہ سن کر بہت جھلایا۔ اور میرے بھائی کو اچک لے گیا میں نے بڑی تدبیر سے اس سے جان بچائی اور ادھر ادھر بھاگ کر بچ بچا کر حضور کی خدمت میں پہنچا ہوں۔ کہ حضور کی حاضری میں دیر نہ ہو۔

شیر یہ بات سن کر بڑا غضبناک ہوا۔ اس کی گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔ اور وہ بولا۔ وہ کون کتا ہے جس نے میری عملداری میں قدم رکھا۔ اور میرا شکار چھین لیا۔ میں جب تک اس کا کام تمام نہ کر لوں گا کھانا حرام سمجھوں گا۔ اے خرگوش میرے ساتھ چل اس نابکار کا پتہ دے۔ خرگوش شیر کے آگے آگے روانہ ہوا۔ اور ایک کنویں کے کنارے پر کھڑے ہو کر اور کنویں میں جھانک کر وہ خوف سے کانپتا ہوا پیچھے ہٹا اور بولا حضور مجھے آپ اٹھالیں میری تو ڈر سے جان نکلی جاتی ہے۔ وہ اپنی جان کا بیری اسی کنویں میں ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔ شیر نے جو جھانکا تو اسے اپنا اور خرگوش کا

عکس کنویں میں دکھائی دیا۔ اس نے سمجھا کہ واقعی کوئی اور شیر خرگوش کو پکڑے کھڑا ہے۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ خرگوش کو کنارے پر چھوڑ کر کنویں میں کود پڑا۔ کنواں بڑا گہرا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ چھلانگ مار کر باہر نکلے مگر وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کی طاقت ختم ہوگئی اور وہ کنویں میں ہی مرگیا۔

خرگوش دشمن کو مار کر زندہ سلامت اپنی قوم میں پہنچا اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ سب نے اس کی عقل کی داد دی۔ اور اسے اپنا نجات دہندہ سردار بنایا خرگوش نے کہا نہیں جو کچھ ہوا خدا کے فضل سے ہوا۔ میں کیا اور میری ہمت کیا؟ اگر وہ مجھے سمجھ عطا نہ کرتا تو میں شیر کو کس طرح زیر کرسکتا تھا۔

انسان اگر کوئی اچھا کام کرے تو اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے کار خیر کی توفیق دی۔ تو اس سے نیکی سرزد ہوئی۔

موقع نہ پہچاننے والا شخص

ایک شخص استنجا کرتے ہوئے یہ دعا پڑھ رہا تھا اللھم ارحنی رحتہ الجنتہ "یعنی اے اللہ! مجھے جنت کی خوشبو سنگھا"۔ ایک اور شخص نے یہ سن کر کہا کہ ہے تو یہ بھی دعا ہی مگر دوسرے موقع کی۔ افسوس تو نے موقع نہ پہچانا اور یہ نہ سمجھا کہ خوشبو سونگھنے کا سوراخ کونسا ہے۔ ارے یہ دعا تو وضو کرتے ہوئے ناک میں پانی ڈالتے وقت پڑھنے کی ہے۔ طہارت کے وقت کی دعا نہیں۔

جو شخص اس بات کا موقع و محل نہیں پہچانتا وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے مثلاً کمینوں کے ساتھ تکبر سے اور بادشاہوں کے ساتھ تواضع سے پیش آنا چاہیے۔ مگر جو کوئی اس کے خلاف کرے وہ یقیناً ذلت اٹھائے گا۔

اسی طرح حب الوطن کا مسئلہ ہے انسان کو پہلے وطن پہچاننا چاہیے۔

تین مچھلیوں کی کہانی

ایک دریا کے پاس چند گڑھوں میں پانی جمع تھا۔ شکاری دریا پر مچھلیاں پکڑنے آئے تو گڑھے کی مچھلیاں بھی دیکھ گئے۔ انہوں نے گڑھے پر کھڑے ہو کر کہا کہ کل اسی جگہ ہاتھ صاف ہو۔ ایک مضبوط سا جال لائیں۔ اور تمام مچھلیاں پکڑ کر لے جائیں۔ اس گڑھے میں تین مچھلیاں تھیں ایک بڑی سیانی۔ دوسری درمیانی عقل کی اور تیسری بالکل بیوقوف۔

عقلمند مچھلی نے کہا۔ بہنو! تم نے شکاریوں کی بات سنی؟ میرا مشورہ ہے کہ ہم راتوں رات گڑھے سے نکل کر گرتی پڑتی دریا میں پہنچ جائیں۔ نیم عاقل مچھلی بولی۔؟ میں نے سنا ہوا ہے کہ وطن کی محبت جزو ایمان ہے۔ میں یہیں جیوں گی اور یہیں مروں گی۔ عقلمند مچھلی نے جواب دیا تم نے غلط فہمی سے اس عارضی پانی کو اپنا وطن سمجھ لیا۔ ہمارا اصلی گھر تو دریا ہے۔ آہ سیلاب نے ہم کو اپنے اصل سے جدا کر دیا۔ چلو اپنے وطن کی طرف کہ ہم کو پناہ وہیں مل سکتی ہے۔

احمق مچھلی بولی مجھے صیاد نہیں پکڑ سکتا۔ مجھے ان کے سب گھاٹ معلوم ہیں۔ میں تہ میں چھپ کر جان بچالوں گی عقلمند مچھلی ان دونوں کو چھوڑ کر **لیس للانسان الا ما سعی** کہتی ہوئی دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔ پانی سے باہر نکل کر اس کا دم گھٹنے لگا۔ مگر اس نے اس عارضی تکلیف کی پروا نہ کی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ مادر وطن اسے جلد اپنی محبت بھری گود میں لے لیگی۔ پس وہ تڑپتی اور پھڑکتی ہوئی دریا میں جا پہنچی۔ تیسری احمق مچھلی کو کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ اور وہ شکاریوں کے ہاتھ میں تڑپ تڑپ کر سرد ہو گئی۔ دم توڑتے ہوئے اسے اپنی بیوقوفی کا پتہ چلا۔ مگر اب پچھتانا اور شرمانا بے سود تھا۔

جو شخص نفس کو عقل کے تابع رکھے اور انجام کار سمجھ جائے وہ اس نیم عاقل مچھلی کی طرح ہے۔ جس نے سوچ بچار سے کام لیا۔ اور آخر بچ گئی۔

جو شخص نادان مچھلی کی طرح تمام عمر غفلت میں کھودے وہ شیطان کے دام میں پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس دنیا کو اپنا وطن سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ بیوقوف مچھلی کی طرح ہیں۔ مومن کا اصل وطن جنت الفردوس ہے وہ اس جسم خاکی کو بھی روح کا قید خانہ سمجھتا ہے اور اسی اشتیاق میں رہتا ہے کہ کب اس قید سے چھوٹے اور آزادی کے مزے لوٹے۔

کوے کا اعتراض اور ہدہد کا جواب

حضرت سلیمانؑ کو خدا نے جیسی بادشاہی دی تھی اور کسی کو نہیں دی۔ تمام چرند و پرند۔ انسان اور جن یہاں تک کہ ہوا بھی آپ کے تابع فرمان تھی ایک دن آپؑ نے تمام پرندوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ حکم پہنچتے ہی خشکی تری کے تمام جانور حاضر دربار ہو گئے۔

حضرت سلیمانؑ تمام جانوروں کی بولیاں جانتے تھے اور سمجھتے تھے۔ آپؑ نے فرمایا جو جو کمال کسی پرندے میں ہو وہ بیان کرے ہر پرندہ اپنا کمال بیان کرتا جاتا تھا۔ ہدہد کی باری آئی تو اس نے کہا یا حضرتؑ! مجھ میں جو جوہر ہے۔ وہ کسی اور میں نہیں۔ میری نظر بڑی تیز ہے۔ مجھے ذرہ ذرہ دکھائی دیتا ہے۔ اگر میں اونچا آسمان پر اڑو جاؤں پھر بھی زمین کی ذرہ ذرہ چیزوں کو دیکھ سکتا ہوں۔ پانی کا پتہ لگانے میں تو مجھے بڑا ہی کمال حاصل ہے۔ زمین کے نیچے چھپا ہوا پانی بھی مجھے نظر آ جاتا ہے۔ میں یہ بھی بتا سکتا ہوں۔ کہ پانی میٹھا ہے یا کڑوا اس کا رنگ کیا ہے۔ اس کا نکاس کہاں سے ہے میں تو اس قابل ہوں۔ کہ حضرت مجھے اپنی خدمت میں رکھیں۔

کوے نے یہ بات سنی تو حسد سے جل کر کوئلہ ہو گیا۔ اور بول اٹھا کہ ہدہد کا دعویٰ غلط ہے۔ اگر یہ ایسا ہی دور بین اور تیز نظر ہے۔ تو شکاری کے پھندے میں پھنستا ہے اسے زیر آب زمین تو دکھائی دے سکتی ہے مگر جال نظر نہیں آتا۔ یہ کیا ماجرا ہے

کوے کا یہ اعتراض بظاہر صحیح تھا۔ تمام جانور اس کے ہم نوا ہو گئے اور کہنے لگے یا حضرت ہد ہد کا دعویٰ بے دلیل ہے۔ وہ کوے کی بات کا جواب دے۔

ہد ہد نے کہا تجربہ کر کے دیکھ لو۔ میری نظر کا امتحان لے لو میں بالکل سچ کہتا ہوں۔ جال میں پھنسنے کی بات الگ ہے وہ تقدیر کا معاملہ ہے۔ جب تقدیر آتی ہے تدبیر کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کو کون مانے۔ تدبیر کند بندہ و تقدیر کند خندہ' مشہور ضرب المثل ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی اس عقل کو نہیں پہنچ سکتا۔ مگر اس کی عقل بھی تقدیر کے سامنے کچھ کام نہیں کر سکتی۔ اس کی ہر تدبیر کامیاب نہیں ہوتی۔ کیونکہ خدا اپنی مصلحت کے مطابق اس کی تدبیروں کو توڑ دیتا ہے۔ جب ہد ہد نے یہ جواب دیا سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔ حضرت سلیمان ؑ نے فرمایا کہ ہد ہد نے سچ کہا۔ قضا کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔

سوداگر کا طوطا اور آزادی کا سبق

باہر کا سوداگر ایک دفعہ ہندوستان آیا۔ اسے یہاں سے ایک طوطا ملا۔ جس کی باتیں بڑی میٹھی۔ جس کی ادائیں بڑی دل پسند اور جس کی صورت بڑی پیاری تھی۔ وہ اسے اپنے ملک لے گیا۔ دوسری دفعہ پھر جب وہ ہندوستان آنے لگا۔ تو اپنے بچوں سے پوچھا کہ تمہارے واسطے کیا کیا سوغات لاؤں۔ سب نے اپنی دل پسند اشیاء نوٹ کرا دیں۔ طوطے سے کہا تم بھی بتاؤ۔ طوطا بولا۔ آقا میری ایک فرمائش ہے وہ پوری کر آنا۔ پوچھا وہ کیا؟ طوطے نے کہا جب تم فلاں دریا کے پار ہو گے تو تمہیں ایک پر فضا پہاڑی دکھائی دے گی۔ وہاں ایک طوطوں کا جھنڈ نظر آئے گا۔ انہیں میرا سلام پہنچا کر کہنا۔ کہ تمہارا فلاں مدت کا ہم نشین فلاں طوطا اس وقت پنجرے میں بند ہے۔ تم تو آزادی سے باغوں اور سبزہ زاروں میں اڑتے پھرتے ہو۔ اور اپنے غریب ساتھی کی کچھ خبر نہیں اس سے ملنے کا بھی کچھ چارہ کرو۔

الغرض وہ تاجر ہند میں وارد ہوا اور طوطوں کے مقام پر پہنچا۔ گھوڑا کھڑا کیا اور کہا اے طوطو! اپنے ایک بچھڑے ہوئے بھائی کا پیغام سن لو۔ جو میرے گھر میں ہے وہ سلام کہتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ تم کو اس کے بغیر شاخوں پر جھولنا اور سبزے پر لوٹنا کس طرح بھاتا ہے۔ کوئی اس کی ملاقات کی بھی فکر کرو۔ یہ پیغام سن کر طوطا درخت سے زمین پر گرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ سوداگر اس پیغام رسائی پر بڑا شرمندہ ہوا کہ میں نے ناحق اپنی زبان کو حرکت دے کر ایک جان گنوائی تلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے۔ مگر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔

الغرض وہاں سے افسوس کرتا ہوا۔ رخصت ہوا اپنے کاروبار سے فراغت پا کر جب گھر پہنچا اور سب کو تحفے تقسیم کر چکا تو طوطا بولا آقا ہمارا کام۔ سوداگر نے کہا طوطے! کیا بتاؤں میں تو تیرا پیغام دے کر بہت پچھتایا۔ اب تک اسکی مذمت میرے دل میں ہے کاش!! میں پیغام نہ پہنچاتا۔ طوطے نے پوچھا۔ آخر ہوا کیا کہا کیا کہا بتاؤں تجھے بھی سن کر صدمہ ہو گا۔ خدا جانے اس جھنڈ میں تیرا کوئی سگا بھائی تھا۔ جو پیغام سنتے ہی نیچے گرا اور تڑپ کر سرد ہو گیا۔

طوطے نے کہا۔ ہائے اور اسی طرح وہ بھی پھڑکنے لگا۔ حتیٰ کہ اس کی پھڑ پھڑاہٹ بند ہو گئی اور وہ پنجرے میں مردہ بن کر پڑ گیا۔ سوداگر کو اور بھی افسوس ہوا کہ میں نے قاصد بن کر دو کا خون کر دیا افسوس میرے گھر کی زینت اور دل کا بہلاوا طوطا میری بے وقوفی سے جاں بحق ہو گیا۔ سوداگر خوب جی بھر کر رو چکا۔ تو طوطے کو پنجرے سے نکالا اور ایک طرف ڈال دیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ طوطے نے ایک جھرجھری لی اور اڑ کر درخت پر جا بیٹھا۔ سوداگر یہ دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا طوطے یہ کیا ماجرا؟

طوطا بولا تم نہ سمجھے کہ میرے بھائی طوطے نے مجھے کیا سبق دیا۔ اس نے اپنے عمل سے بتایا کہ قید سے کس طرح رہائی پا سکتا ہوں۔ تم نے دیکھ لیا کہ میں نے تمہارے سامنے مر کر آزادی حاصل کر لی۔ افسوس میری زبان نے مجھے پنجرے میں قید کرایا۔ کیا ہی خوب فرمایا ہے۔ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "من سکت سلم و

من سلم نجا" جس نے زبان کو روک لیا وہ محفوظ ہو گیا۔ میری ایک نصیحت دل کے کانوں سے سن لو کہ آزادی بڑی نعمت ہے۔ اگر آقا شہنشاہ اور باپ سی بھی زیادہ مہربان ہو پھر بھی غلامی لعنت ہے رب العالمین کے سوا اور کسی کا غلام نہ بننا چاہیے یہ کہا اور طوطا اڑ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

شیر کے سامنے شکار کی تقسیم

ایک شیر بھیڑیا اور لومڑی مل کر تینوں شکار کی تلاش میں نکلے۔ بڑی تگ و دو کے بعد انہیں ایک ہرن ہاتھ لگا پھر ایک خرگوش ملا۔ اس کے بعد ایک نیل گائے (روجھ) کا بھی شکار کیا جب شیر تین جانور مار چکا تو بھیڑیئے سے کہا۔ آج تیری عقل کا امتحان ہے ان کو خوب سوچ سمجھ کر تقسیم کر بھیڑیا بولا نیل گائے آپ کھالیں ہرن مجھے دے دیں اور خرگوش لومڑی کو عطا کردیں۔

شیر نے کہا تو بڑا بے حیا۔ بے ادب اور بدسلیقہ ہے تیری سزا قتل ہے شیر غیظ و غضب سے اٹھا اور ایک تھپڑ مار کر بھیڑیئے کا کام تمام کر دیا۔ شیر نے پھر لومڑی سے کہا۔ اب میں تیری عقل آزماتا ہوں۔ وہ بڑے ادب سے سر جھکا کر بولی حضور۔ نیل گائے تو آپ ابھی کھالیں۔ ہرن کو رات کے لیے رہنے دیں۔ اگر درمیان میں اشتہا ہو تو خرگوش نوش فرمائیں شیر یہ سن کر بڑا خوش ہوا اور پوچھنے لگا تو نے یہ سلیقہ کس سے سیکھا۔ لومڑی بولی بھیڑیئے کے واقعہ نے مجھے سبق دیا کہ بادشاہوں کے حضور خود غرضی اچھی نہیں۔ یہ جواب دے کر وہ بڑے سلیقہ سے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ شیر کو اس کا یہ ادب اور سلیقہ بڑا پسند آیا۔ اس نے کہا۔ یہ تینوں شکار ہم نے تجھے دیئے ہم اور مار لیں گے۔

لومڑی نے شیر سے جدا ہو کر سجدہ شکر ادا کیا کہ اگر پہلے شیر مجھ سے سوال کرتا۔ اور میں بھیڑیئے جیسا جواب دیتی تو میرا بھی وہی حشر ہوتا جو بھیڑیئے کا ہوا۔ اس

حکایت سے دو اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں (1) ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ کہ ہمیں اس نے آخری امت میں پیدا کیا۔ اگلی امتوں پر عذاب نازل ہوئے۔ جن سے عبرت حاصل کر کے بدیوں سے بچ سکتے ہیں (2) نشان عقلمندی یہی ہے کہ دوسروں کی سزا سے سبق حاصل کریں۔ خود غرض آدمی محروم رہتا ہے۔ اور بے غرض اخلاص سے کام کرنے والے کی ہر جگہ عزت ہوتی ہے۔

اونٹ کا رہبر چوہا

ایک اونٹ جنگل میں چلا جاتا تھا۔ اس کی مہار زمین پر گھستی چلی جا رہی تھی۔ ایک چوہے نے اسے دیکھا۔ تو دل میں کہا کہ اس کو یوں کھلا چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی مہار تھام لینا چاہیے۔ تا کہ یہ شتر بے مہار نہ کہلائے۔ پس اس نے دوڑ کر اس کی مہار منہ میں لے لی اور آگے آگے روانہ ہو پڑا۔ اونٹ نے بھی اس سے مذاق کیا اور پیچھے پیچھے بے تکلف ہو لیا۔

اونٹ نے تجاہل عارفانہ سے پوچھا۔ اے میرے رہبر! تو اس قدر ڈر کیوں گیا۔ چوہے نے شرمندگی سے کہا۔ بھائی یہ پانی دیکھ کر میرا دل دہل گیا ہے۔ اونٹ نے کہا۔ تو نہ ڈر میں ابھی دیکھ کر بتاتا ہوں کہ پانی کتنا ہے۔ اونٹ دریا میں چلا گیا۔ اور بولا چوہے آجا پانی پایاب ہے۔ دیکھ لے میرے زانو تک نہیں ڈوبے تو کیسے ڈوب سکتا ہے چوہے نے کہا واہ!! بھائی تم مجھے غرق کرنا چاہتے ہو۔ جو پانی تیرے زانو تک گہرا ہے وہ میرے سر سے سو گز اونچا پہنچے گا۔

اونٹ نے طنز سے کہا چوہے واہ اسی برتے پر تم میرے پیشوا بنے تھے۔ آئندہ دعویٰ ہمسری اپنے جیسے چوہوں سے کرنا کسی اونٹ کے منہ نہ لگنا۔ چوہے نے کہا میری توبہ۔ آئندہ ایسی جرات نہیں کرونگا۔ اب خدا کے لیے مجھے پار اتار دے۔ اونٹ کو رحم آگیا۔ بولا کہ آ میری پیٹھ پر بیٹھ جا میں تیرے جیسے لاکھوں چوہوں کو پار اتار سکتا

ہوں۔

مولاناؒ فرماتے ہیں جب تم بادشاہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو رعیت بن کر گزارہ کرو اور خدمت گزاری سے عزت حاصل کرو۔

خوارزم شاہ اور اس کا مصاحب

خوارزم شاہ کا ایک مصاحب بڑا فدا کار اور جان نثار تھا۔ اس کو بادشاہ سے ایسا ہی عشق تھا۔ جیسا کہ پروانہ کو شمع سے ایک دن اس سے لغزش ہو گئی۔ جس پر بادشاہ سخت ناراض ہوا۔ غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اور تلوار کھینچ کر آگے بڑھا تا کہ مصاحب کا سر تن سے جدا کر دے۔ یہ دیکھ کر دربا میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ کیونکہ قصور اتنا بڑا نہ تھا کہ مصاحب واجب القتل ٹھہرتا۔ سبھی چاہتے تھے کہ بادشاہ کو قتل سے روکیں۔ مگر اس کے خوف سے کسی کو جرات شفاعت نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت دربار میں عماد الملک بھی تھا۔ جسے بڑھاپے نے نہایت ناتواں کر رکھا تھا۔ وہ لپک کر آگے بڑھا اور غضبناک بادشاہ کے سامنے اپنی گردن خم کر کے کہنے لگا میں حضور کو مصاحب کی طرف نہیں بڑھنے دونگا۔ جب تک کہ پہلے مجھے قتل نہ کر لیں۔ میں نے بادشاہ کا نمک کھا کھا کر سر سفید کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ بادشاہ کی گردن پر ناحق خون چڑھے۔ امید ہے کہ بادشاہ میری عرض کو قبول فرماتے ہوئے ارادہ قتل سے باز رہیں گے۔

یہ سن کر بادشاہ کا قہر دھیما پڑ گیا۔ اس نے تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور عماد الملک کو گلے لگا لایا۔ اور اس کے ہاتھوں کو چوما اور کہا میں نے مصاحب کی خطا معاف کی بیشک تعجیل شیطانی کام ہے۔ اور میں اس پر نادم ہوں۔

مصاحب کو عماد الملک نے موت کے منہ سے بچایا تھا۔ اس لیے لازم تھا کہ اس کے پاؤں دھو دھو کر پیتا اور تا عمر اس کا خادم بنا رہتا۔ مگر اس نے اس کے بر عکس

عمل کیا۔ عماد الملک سے کلام کرنا ترک کر دیا۔ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو سب اسے لعنت ملامت کرنے لگے کہ تو عجب احسان فراموش اور ناشکرا ہے کہ اپنے نجات دہندہ سے منحرف ہو بیٹھا۔

شاہ آقا اور میں بندہ شاہ کا
جو وہ کرتا مجھ کو سب منظور تھا
بخشتا یا مارتا اس کی خوشی
اس نے میری بات کر دی کرکری

ایک بھنگی اور ابن سینا

ابن سینا کے ایک راوی صادق بیان کرتے ہیں کہ ابن سینا نے بتایا کہ میں ابن سینا کبھی کسی سے قائل نہیں ہوا۔ مگر ایک خاکروب (بھنگی) نے مجھے لاجواب کر دیا۔ واقعہ یوں ہے کہ میں ایک صبح سیر کو جا رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھنگی کوڑی پر سے گندگی ڈھو رہا ہے۔ اور بڑے شوق سے اس مضمون کے شعر پڑھ رہا ہے۔۔

جھانک مت اے نفس ذلت کی طرف
جی اگر جینا ہے با عز و شرف
تجھ کو آلودہ و نات سے کبھی
ہونے میں دونگا نہیں تا زندگی

میں یہ شعر اس سے سن کر بڑا متعجب ہوا۔ کہ یہ شخص کام کیا کر رہا ہے اور کہہ کیا رہا ہے۔

غلاظت ڈھونا اور دعوئی شرافت کرنا عجب حماقت ہے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ چنانچہ میں نے اسے کہہ ہی دیا کہ اپنا کام دیکھ اور سوچ کہ تو اس دعوئی میں کہاں تک حق بجانب ہے۔ بھنگی یہ سن کر بولا۔ اے ابن سینا! آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ اس

طرح بات کریں۔ اتنے بڑے فاضل عاقل کامل فلسفی اور ادیب ہو کر آپ بادشاہوں کے حضور قصور واروں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور کچھ غیرت اور شرم محسوس نہیں کرتے۔ آہ! آپ نے اپنے علم و ہنر کو دھبہ لگا دیا۔ اور شرافت کی لٹیا ڈبو دی۔ اگر خود دوری رکھتے تو بادشاہ اور وزیر خود آپ کے پاس کھنچے چلے آتے۔ دیکھو! میں کسی کا غلام نہیں۔ اپنی نیند سوتا ہوں۔ اور اپنی نیند اٹھتا ہوں۔ شریف وہی ہے جو اپنے دست و بازو سے کما کر کھائے۔ اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ مزدوری کا کام خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو دنائیت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ شرافت انسان کی ذات میں ہے۔ کام میں نہیں۔ انسان کو ایسا وطیرہ اختیار کرنا چاہیے۔ جس سے لوگوں کی نظروں میں خوار نہ ہو۔ خاکروبی ذلیل پیشہ سمجھا گیا۔ حالانکہ نوکری اس سے ذلیل تر ہے۔ اور گدائی سب سے زیادہ۔ اے ابن سینا! افسوس آپ کو ابھی تک عزت و ذلت میں تمیز نہیں۔ یہ سن کر میں لاجواب ہو گیا اور میرے پاؤں شرم کے مارے زمین میں گڑ گئے۔ اس آزاد کناس (حلال خوف) نے جو کہا اس کی تردید میں کسی خوشامدی اور غلام کو لب کشائی کی جرات نہیں ہو سکتی۔

محنت مزدوری نوکری اور دریوزہ گری سے بدرجہا بہتر ہے۔

چانٹا لگانے اور کھانے والا

ایک شخص نے دوسرے کی ٹانٹ پر اس زور سے چانٹا لگایا کہ اس سے تڑاق کی آواز نکلی۔ اس کو ضرب بڑی شاق گزری۔ شدت درد سے بیتاب ہو کر وہ بہت تڑپا اور مرنے مارنے پر تیار ہو گیا۔ اس نے آستین چڑھالیں اور آگے بڑھ کر اسے جواب میں چانٹا رسید کرنے ہی کو تھا کہ مارنے والا کہنے لگا کہ میں مار کھانے کو حاضر ہوں مجھے پہلے اس بات کا جواب دے کہ یہ جو تڑاق کی آواز تو نے سنی ہے وہ تیرے نزدیک کس چیز کی تھی۔ وہ میرے ہاتھ سے نکلی یا تیرے سر سے پیدا ہوئی۔ مار کھانے والا بولا کہ

مجھے درد ہو رہا ہے۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ ایسے حال میں مجھے اتنا سوچنے کی فرصت کہاں کہ آواز نکلنے کے مقام کا پتہ بتاؤں۔ مجھے جلد ایک چانٹا لگانے دے تاکہ مجھے بھی غور و فکر کا موقع ملے۔ پھر ہم دونوں چانٹے کھا کر یہ مسئلہ حل کر لیں گے۔ کیونکہ اپنی گردن جبھی دکھائی دے سکتی ہے جب بامقابل دو شیشے رکھے جائیں۔

دوسرے کی تکلیف کا احساس جبھی ہو سکتا ہے جب خود تکلیف میں پڑیں۔

نفع و نقصان سے بے پرواہ شخص

ایک شخص نے ایک درویش سے پوچھا کہ آپ کی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا حال کیا پوچھتے ہو۔ جس کے اشارے پر دنیا چلتی ہے آسمان، دریا، ستارے، اور ہوا رات دن جس کے حکم میں ہیں۔ آدمی و حوش و طیور اور جن و ملک جس کے تابع رضا ہیں۔ جس کے ارادہ پر تمام دنیا کے کاروبار کا انحصار ہے۔

سائل نے سن کر کہا کہ واقعی آپ کا رتبہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ مگر اس کلام کی ذرا تشریح کر دیجئے تاکہ میری سمجھ میں آجائے۔ آپ نے فرمایا بات بالکل سیدھی ہے۔ اس میں کچھ پیچیدگی نہیں جو یہ یقین رکھتا ہو کہ خالق کے حکم سے باہر کوئی نہیں اس کے حکم کے بغیر نہ پتہ ہلتا ہے نہ جبہ ملتا ہے وہ دم بھر میں عدم کو موجود اور جہاں کو فنا کر سکتا ہے۔ جو دوستی اور دشمنی اللہ کے لئے رکھے جو خدا ہی کے لیے جئے اور مرے۔ جس کے دل میں نہ دوزخ کا خوف ہو نہ جنت کی خواہش پس ایسا انسان کل دنیا پر حکمران ہوتا ہے۔ جو شخص نفع و نقصان میں راضی برضائے الٰہی ہو۔ وہ نہ آرام سے بگڑتا ہے نہ تکلیف سے گلہ و شکایت کرتا ہے۔ مسلم وہی ہے جو رضائے خدا کے سامنے گردن تسلیم خم کر دے اس کی کشتی اگر دریا سے پار ہو جائے۔ تو وہ ذرہ بھر میل دل پر نہ لائے گا۔ کیونکہ اس کے دل میں یقین کامل ہو گا۔ کہ قادر مطلق برا نہیں

کرتا۔

بے نماز آقا کا نمازی غلام

اگلے وقتوں میں کہیں ایک امیر بڑا نیک خو اور قابل تھا۔ مگر شامت اعمال سے اس میں کاہلی (سستی) بہت تھی۔ امور دینی میں وہ اور بھی قابل تھا۔ خالق کے آگے سر بسجدہ ہونے سے وہ بہت دم چراتا اور بھول کر بھی مسجد میں قدم نہ رکھتا۔ اس کا ایک منہ چڑھا غلام سنقر چستی اور دینداری میں بالکل آقا کی ضد تھا۔ ایک صبح غسل کا ارادہ کر کے آقا حمام کی جانب تیل' رومال اور صابن لے کر روانہ ہوا۔ راہ میں مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ سنقر نے کہا آقا مجھے فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دیجئے۔ میں ابھی فارغ ہو کر واپس آتا ہوں۔ امیر نے کہا میری طرف سے دو فرض ادا کرنے کی رخصت ہے۔ میں باہر بیٹھا ہوں۔ میرے لئے بھی دعا کرنا۔

امیر نے گھڑی بھر اس کا انتظار کیا مگر سنقر نہ آیا اور سب نمازی فارغ ہو کر نکل آئے ایک گھڑی اور انتظار کر کے امیر نے در مسجد پر جا کر آواز دی کہ اے سنقرا تیرا دامن وہاں کس نے سی دیا۔ سنقر بولا۔ ایک ساعت ٹھہریئے۔ مجھے وہی باہر آنے سے روکتا ہے جو تجھے اندر نہیں آنے دیتا۔

یعنی سب کچھ اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے۔ حیلہ و تدبیر سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو انسان خودی چھوڑ دے وہی واصل باللہ ہو کر بقا حاصل کر سکتا ہے۔

ایک چور اور اس کا ساتھی

رات کے پچھلے پہر ایک شخص کو اپنے گھر میں کسی کے چلنے پھرنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ آنکھ کھول کر اس نے دیکھا کہ چور پھر رہا ہے اور اس جستجو میں ہے کہ

کوئی چیز ملے تو اسے اڑا کر لے جائے۔ اس نے ہمت کر کے چور کو پکڑ لیا چور نے زور لگایا اور دامن چھڑا کر بھاگ گیا۔ یہ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ آخر کار اس کو گردن سے پکڑ کر اپنے آگے دھر لیا۔

چور کا ایک ساتھی چھپا کھڑا تھا۔ اس نے گھر والے کے مکان پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ صاحب ادوڑ کر آئیو۔ میں اکیلا ہوں۔ اور چور دو ہیں۔ یہ سن کر اس نے گرفتار شدہ چور کو تو چھوڑ دیا اور گھر کی طرف دوڑ آیا۔ کہ کہیں چور اس کے بال بچوں کو نہ مار ڈالیں۔

گھر کے پاس اس نے ایک آدمی کھڑا پایا۔ پوچھا چور کہاں ہیں۔ ؟ اس نے جواب دیا یہیں کہیں ہوں گے۔ یہ دیکھو ان کے قدموں کے نشان۔ آؤ دونوں مل کر ان کو ڈھونڈیں اس نے نشان دیکھے تو معلوم ہوا کہ ایک تو اس کے اپنے پاؤں کے نشان اور دوسرے اس چور کے جس کو ابھی اس نے چھوڑا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص یا تو چور کا ساتھی ہے اور اس نے مجھے جل دے کر اپنے ساتھی کو چھڑایا ہے یا بے وقوف اور کف پا کے نشاں دیکھ کر اپنی طرف سے بطور خیر خواہی مجھے بلایا ہے۔ خواہ کوئی صورت بھی ہو۔ قصور میرا ہی ہے کہ میں نے قابو آئے ہوئے چور کو چھوڑ دیا۔

یعنی میں نے حقیقت کو پا لیا تھا۔ مگر نشان کے پیچھے لگ کر اس کو چھوڑ دیا ہے۔ صفت پر اسی شخص کی نظر ہوتی ہے جو صفت اور صفت والے سے محجوب ہو اور جو اس میں گم ہو وہ صفات کی طرف دھیان نہیں کرتا۔

ایک دنبے والا اور چور

ایک شخص نے شوق سے دنبہ پال رکھا تھا۔ دنبہ اس سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ جہاں یہ جاتا دنبہ رسی کے بغیر اس کے پیچھے پیچھے دوڑا آتا۔ ایک دن وہ اس کے

پیچھے اس طرح چلا جا رہا تھا کہ ایک اچکے نے دیکھ لیا۔ اور دنبہ لے اڑا اس نے پیچھے
مڑ کر جو دیکھا تو دنبہ غائب تھا۔ اس نے تلاش میں ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔
بدمعاش نے بھی اسے دیکھ لیا اور فوراً ایک کنویں پر بیٹھ کر رونے لگا دنبے والا اس کے
پاس آیا۔ اور پوچھا۔ اس قدر روتے کیوں ہو؟ کہا کیا بتاؤں۔ تمام عمر کی کمائی لٹ گئی
ساری عمر میں پانچ سو دینار جمع کیے تھے جو ایک تھیلی میں بند تھے۔ کنویں سے پانی نکالنے
لگا تو تھیلی اس میں گر پڑی۔ اگر کوئی غوطہ زن اس کو نکال دے تو آدھے دینار یعنی (
اڑھائی سو) لے لے۔ دنبے والے کے منہ میں پانی بھر آیا کہ خدا نے میری قسمت
کھول دی۔ ایک دنبہ گیا اور بیسیوں مل گئے۔ اسی دم جوتا اور کپڑے اتار کر کنوئیں
میں اتر گیا۔ اور لگا غوطے مارنے چور نے موقع غنیمت جانا اور دنبہ جفت۔ پاپوش اور
پارچات لے کر ہوا ہو گیا۔

دنبے والا ڈبکیاں لگا لگا کر تھک گیا۔ بولا تھیلی والے تھیلی نہیں ملتی اوپر سے کوئی
جواب نہ آیا۔ باہر آیا تو دیکھا کہ نہ صرف وہ آدمی غائب ہے۔ بلکہ اس کے کپڑے اور
جوتے بھی غائب ہیں۔ اب لگا ننگے پاؤں اور برہنہ تن ادھر ادھر بھاگنے مگر حرامی ہاتھ نہ
آیا۔ اس نے طمع سے دنبہ بھی گنوایا۔ اور دوسری چیزوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ جو
شخص تھوڑی چھوڑ کر زیادہ کا لالچ کرتا ہے وہ بالکل محروم ہو جاتا ہے۔

ایک ہاتھی اور چار شوقین

چند ہندوستانی ملک ایران میں نمائش کے لیے ایک ہاتھی لے گئے۔ اور اسے
ایک تاریک گھر میں داخل کیا گیا۔ تاکہ اسے کوئی بے چراغ نہ دیکھے چار شوقین رات
کو ہاتھی دیکھنے آئے انہیں کہا گیا کہ یہ دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ
ہم ابھی دیکھیں گے۔ اور بخدا دیکھ کر ٹلیں گے۔ ہمیں چراغ کی حاجت نہیں جو مانگو
لے لو مگر ہاتھی ابھی دکھا دو۔ چنانچہ ان میں سے ایک ہاتھی کے قریب گیا اس کا ہاتھ

اس کے سونڈ (خرطوم) سے جا لگا۔ وہ باہر آکر کہنے لگا۔ ہاتھی نلکے کی طرح گول مخروط اور لمبا ہے دوسرا اندر گیا تو اس کا ہاتھ اس کی ٹانگوں پر پڑا۔ وہ بولا میں نے ہاتھی دیکھ لیا۔ ہاتھی ستون کی طرح ہے۔ تیسرے نے اس کے کانوں کو چھوا۔ اور کہا ہاتھی تو پنکھے اور چھاج کی طرح ہے۔ ہاں کچھ چوڑا اور نرم سا ہے۔ چوتھے کا ہاتھ اس کی پشت پر پڑا تو وہ بولا کہ ہاتھی تو تخت کے مانند ہے اگر ان کے ہاتھ میں شمع ہوتی تو ان میں اختلاف نہ ہوتا۔

دنیا داروں میں جو باہمی اختلاف ہے وہ جہالت کی تاریکی کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ نور علم سے مستفید ہوں تو نہ لڑیں نہ جھگڑیں۔

مکان کی تلاش ایک دوست کی مدد

ایک امیر آدمی ایک شہر میں وارد ہوا۔ وہ ایسے گھر کی تلاش میں تھا۔ جو ہر طرح آرام دہ ہو۔ اسے کشادہ ہوا دار۔ اونچی چھتوں والے سایہ دار درختوں سے آراستہ حوض سے پیراستہ مکان کی ضرورت تھی وہ ایسا گھر لینا چاہتا تھا۔ جس میں نوکروں کے کمرے بھی ہوں۔ دیوان خانہ اور اصطبل بھی ہو۔ اس نے سارا شہر چھان مارا۔ مگر کوئی مطلب کا گھر نہ ملا۔

اتفاقاً ایک کوچے میں کھڑا ہوا۔ اسے ایک پرانا ہم جماعت دوست مل گیا۔ دونوں بڑے تپاک سے گلے ملے اور ایک دوسرے سے مل کر بڑے خوش ہوئے۔ دوست نے پوچھا۔ بھائی مجھے کوئی خدمت بتاؤ۔ اس نے کہا فی الحال مجھے ایسے مکان کی تلاش ہے جو میری تمام ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ دوست نے کہا۔ یہ کونسا بڑا کام ہے میرے ہمسایہ میں ہی ایک ایسا مکان ہے جس کی تمہیں تلاش ہے اگر وہ ویران اور خراب نہ ہو گیا ہوتا تو وہ اپنی نظیر آپ تھا۔ شہر بھر میں اس جیسا لمبا چوڑا۔ آرام بخش مکان نہ تھا۔ اگر اس کے بڑے دالان پر چھت ہوتی اگر اس کا باورچی خانہ اور دہلیزیں

سالم ہوتیں۔ اگر اس کا مردانہ ثابت اور زنانہ قائم ہوتا۔ اگر اس کا تہہ خانہ گرنہ پڑتا۔ اگر اس کی پچھلی دیوار منہدم نہ ہو جاتی۔ اگر اس کا چمن اور لہلاتے ہوئے پھول مردہ نہ ہو گئے ہوتے تو اس سے بہتر مکان ملنا دشوار تھا۔

دوست کی یہ بات سن کر اس متلاشی مکان نے جواب دیا بھائی میں آپ کی مہربانی کا ممنون ہوں۔ مگر مجھے تو مکان چاہیے اگر مگر سے میری ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ آپ نے خوب میری مدد کی۔

گدھوں کی بیگار اور انسان کا خوف

ایک ظریف شخص اپنے گھر کے دروازے میں کھڑا تھا دیکھتا کیا ہے کہ ایک شریف صورت انسان لمبی داڑھی' سر پر عالموں کا سا عمامہ جس کا شملہ کمر کو چھوتا ہوا' لمبا جبہ پاؤں تک لٹکائے دوڑتا ہانپتا ہوا آرہا ہے۔ ظریف نے پوچھا اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔ کس کے خوف سے بدن کانپ رہا ہے۔ لب خشک اور چہرہ زرد کیوں ہے؟ مگر وہ شخص اس قدر خوف زدہ تھا۔ کہ بات بھی اس کے منہ سے نہ نکلتی تھی۔ آخر حوصلہ اور تسلی دینے پر بولا صاحب میں چور ہوں نہ خونی' میں نے دیکھا کہ گدھے بیگار میں پکڑے جارہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے بھی نہ پکڑ لیں۔ خدا کے لیے مجھے بچالو۔

ظریف نے کہا۔ کہاں گدھے کہاں تم جیسا شاندار معتبر انسان۔ کیا بیگار پر پکڑنے والے گدھے ہیں کہ تمہیں گدھا سمجھ کر پکڑ لیں گے۔ اس نے جواب دیا سب آدمی آپ جیسے مردم شناس نہیں ہوتے اگر وہ مجھے پکڑ کر لے جائیں۔ اور سرکار میں حاضر کریں۔ واسطہ بے تمیزوں سے پڑ جائے تو میں پھر آپ کو کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔ کہ حضرت آیئے اور مجھے چھڑوایئے۔

انسان کے لیے ہر حال میں احتیاط لازم ہے خواہ کوئی خود کتنا ہی نیک ہو۔ اسے

یوں سے پھر بھی ڈرتے رہنا چاہیے۔ تاکہ وہ نیش زنی نہ کر سکیں۔ بچھو کسی دشمنی کی وجہ سے ڈنگ نہیں مارتا بلکہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر ڈنگ مارتا ہے۔

اپنے پر نوچنے والا مور

ایک طاؤس (مور) جنگل میں کھڑا اپنے خوبصورت پر نوچ کر پھینک رہا تھا۔ ایک عقل مند یہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا اور بولا۔ اے طاؤس! تیرا دل کس طرح گوارا کرتا ہے کہ تو اپنے خوبصورت پروں کو اکھاڑ کر پھینکے۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ لوگ ان پروں کو بڑے ذوق و شوق سے اٹھا کر قرآن شریف جیسی مقدس کتاب کے اندر رکھ لیتے ہیں۔ اور محبوبان جہاں ان کے پنکھے بنا کر اپنے خوبصورت چہروں کو ہوا دیتے ہیں۔ یہ تیری بڑی ناشکری اور گستاخی ہے کہ صانع کی ایسی پر نقش و نگار چیز کو اس قدر بے قدری سے ضائع کر رہا ہے۔

مور یہ سن کر منہ سے کچھ نہ بولا۔ مگر اس کی آنکھوں سے خود بخود آنسو رواں ہو گئے۔ چونکہ وہ درد دل کا پتہ دیتے تھے اس لیے سب اشک ریزی سے متاثر ہوئے۔ جب آنکھوں کی راہ وہ اپنی دل کی آگ نکال چکا تو بولا اے دانا' انسان! اب میری بات بھی سن لے تو میرے خوشنما پروں کو دیکھتا ہے مگر میں اپنے عیبوں کو دیکھ کر اشکبار ہوں نہ میرے گوشت میں مزا ہے نہ پاؤں میں۔ خوبصورت لوگ میرے پروں کی تعریف کرتے ہیں۔ اور میں اپنی زشت پائی سے خجل (شرمندہ) ہوں۔ صرف میرے پر ہی ہیں جن کے لیے شکاری میری تلاش میں رہتے ہیں۔ اور مجھے مار گراتے ہیں۔ کاش گوشت اور پاؤں کی طرح میرے پر بھی خراب ہوتے۔ اور میری نیلگوں گردن بھی بد صورت ہوتی تاکہ میں شکاریوں کا نشانہ نہ بنتا۔ میں اپنی دم کے پر نوچ کر پھینک رہا ہوں۔ تاکہ مجھے لنڈورا دیکھ کر شکاری میری جان لینے کے در پے نہ ہوں۔

ہنر اور اختیار انہی کو سود مند ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں ورنہ یہ ہنر اور

اختیار ان کے لئے ویسا ہی وبال جان بن جاتا ہے جس طرح مور کے لیے پر۔

چوہے اور مینڈک کی دوستی

ایک چوہا اور مینڈک بڑے پکے دوست بلکہ پگڑی بدل بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان کی گہری دوستی کو دیکھ کر دیکھنے والے کہتے تھے۔ کہ وہ دو قالب ایک جان ہیں۔ ان میں اس قدر محبت تھی کہ وہ ہر وقت اکٹھے رہا کرتے تھے۔ اور ایک لمحہ بھی جدائی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن چوہے نے کہا بھائی مینڈک جب تو پانی میں چلا جاتا ہے تو میں کنارے پر کھڑا تجھے بلاتا رہتا ہوں مگر یہ آواز تجھے نہیں پہنچتی۔ میرا چلاتے چلاتے گلا بیٹھ جاتا ہے۔ جب تیری طرف سے کوئی جواب نہیں آتا تو میری جان کو بڑا عذاب ہوتا ہے مجھے ایک تجویز سوجھی ہے اگر تو بھی اسے پسند کرے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے ایک سرے میں میری ٹانگ بندھی ہو اور دوسرے میں تیری۔ جب میں ملنا چاہوں تو ذرا سا اسے کھینچ دوں۔ اور تو اشارہ پا کر باہر نکل آئے۔

مینڈک نے کہا یہ تجویز معقول ہے وہ دیکھ سامنے جولاہے کا گھر ہے اس کے تانے سے ایک لمبا اور مضبوط تار کاٹ لا۔ اس سے ہم اپنی ایک ایک ٹانگ باندھ لیں گے۔ چوہا فوراً دوڑا گیا اور وہاں سے ایک تار لے آیا۔ دونوں نے ٹانگیں باندھ لیں چوہا تو بل میں گھس گیا اور مینڈک پانی میں چلا گیا۔

ایک کوا یہ سب ماجرا دیکھ رہا تھا۔ وہ خوش ہوا کہ خوب تر مال ہاتھ لگا۔ وہ فوراً لپکا اور تار چونچ میں لے کر اوپر اڑا اس سے دونوں اپنی جگہ سے کھینچے چلے آئے۔ دیکھنے والے تعجب کرتے تھے کہ کوے نے مینڈک کو پانی سے کیسے نکال لیا۔ ایک دانا آدمی پاس کھڑا تھا۔ اس نے کہا یارو اس کو جنس کی صحبت لے ڈوبی ہے۔ پانی میں رہنے والے نے خشکی کے جانور سے یارانہ گانٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جان گنوا بیٹھا۔ اب کوا اس کو بھی چوہے کے ساتھ نوچ نوچ کر کھانے لگا۔ اس واقعہ سے سبق

حاصل کرو کہ غیر جنس ہمیشہ ہلاکت اور نقصان کا موجب ہوتی ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

گدھا گھوڑوں کے اصطبل میں

ایک غریب سقے کا بڑا دبلا پتلا گدھا تھا۔ وہ اتنا لاغر ہو گیا کہ اگر زور سے ہوا چلتی تو اڑا کر دور پھینک دیتی۔ پشت پر جا بجا زخموں کے غار پڑ گئے۔ اور ان میں بے شمار کیڑے چل رہے تھے۔ وہ دو قدم بھی بغیر ٹھوکر کھانے کے نہیں چل سکتا تھا۔ ایک اصطبل کے داروغہ نے اسے دیکھ کر سقے سے پوچھا کہ تمہارا گدھا اس قدر ناتواں کیوں ہے۔؟ اس نے جواب دیا کہ میں مفلس آدمی ہوں۔ جب مجھے کھانے کو نہیں ملتا تو گدھے کو کیا کھلاؤں۔ فاقوں نے اسے نحیف کر رکھا ہے۔ داروغہ نے کہا اسے ایک مہینہ میرے اصطبل میں چھوڑ جاؤ پھر دیکھنا یہ گدھا کیا رنگ لاتا ہے۔ چنانچہ وہ گدھے کو اپنے اصطبل میں لے گیا۔ اور اسے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر گھاس اور دانہ کھلانے لگا۔ گھوڑوں کے ساتھ ہر روز اس کی بھی مالش ہونے لگی۔ بھنگی آکر اس کے کھڑے ہونے کی جگہ صاف اور سقے چھڑکاؤ کر جاتے۔ لید وغیرہ فوراً اٹھا لی جاتی۔ اور تازہ چارہ کھلایا جاتا۔ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر بیچارہ گدھا دل میں کہنے لگا کہ اے خدا! اگرچہ تجھ سے پوچھنا داخل بے ادبی ہے مگر میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ مجھ میں اور گھوڑوں میں کیا فرق ہے۔ وہی ہاتھ پاؤں میرے ہیں۔ وہی ان کے دونوں کے پیٹ کھانا مانگتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ ایک دوسرے میں اس قدر فرق کیوں رکھا گیا ہے کہ ان کی قسمت تو گھاس دانہ اور مصالحہ اور میری قسمت کوڑیوں پر چرنا۔ اور ڈنڈے کھانا۔

انہی دنوں ایک لڑائی پر اصطبل کے تمام گھوڑے بھیجے گئے جب واپس آئے تو تمام زخموں سے چور تھے۔ وہی بدن جن میں ریشم سی چمک اور لچک تھی کان سے لے کر دم تک خون میں لتھڑ کر خراب ہو رہے تھے۔ اور خون کسی طرح نہ تھمتا تھا۔ تیر

جسموں میں پیوست تھے جن کو نکالنے کے لیے گھوڑوں کو باندھ کر پچھاڑا اور تیروں کو نکالا گیا۔

انسان کو چاہیے کہ اپنی استعداد سے اونچا نہ اڑے اور خیال رکھے۔

شیر' لومڑی اور گدھا

ایک شیر اور ہاتھی آمنے سامنے ہو پڑے۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ ہاتھی تو شیر کے زخموں کو برداشت کر گیا۔ شیر بری طرح خستہ ہوا۔ اور شکار کرنے سے بھی رہ گیا۔ کئی دن بھوک میں گزر گئے۔ شیر کے ساتھ دو لومڑیاں رہا کرتی تھیں۔ جو اس کا پس خوردہ (جھوٹا) کھا کر پیٹ بھر لیا کرتی تھیں۔ جب شیر شکار سے عاجز آگیا تو یہ بھی بھوکی مرنے لگیں۔ شیر نے کہا اگر یہی حالت رہی تو تم جینو گی نہ میں۔ کچھ حیلہ کرنا چاہیے۔ تم ہی میں سے ایک دوبارہ (لومڑی) اس سرسبز جنگل سے پار چلی جائے۔ اور کسی گدھے یا گائے کو باتوں میں لگا کر میرے پاس لے آئے۔ میں اسے مار کر کھاؤں گا اور پھر بچا کھچا تم کھا لینا۔

ایک روباہ جو بڑی حیلہ ساز اور چالاک تھی۔ آداب بجا لا کر رخصت ہوئی۔ اور ایک دھوبی کے گدھے سے جا ملی۔ جو سنگلاخ زمین میں گری پڑی چیز کھا کر اور پانی پی کر زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ بوجھ اٹھا اٹھا کر اس کی پیٹھ زخمی ہو گئی تھی۔ اور فاقوں کے مارے پیٹ پیٹھ کے برابر ہو گیا تھا۔ روباہ گدھے کے پاس پہنچی اور دونوں میں جو گفتگو ہوئی وہ سننے کے لائق ہے۔

لومڑی اے بھائی لاغر گدھے اسلام

گدھا بولا وعلیکم السلام

لومڑی۔ کب تک اس سنگلاخ اور خشک جگہ میں پڑے مصیبتیں جھیلو گے۔

گدھا۔ اگر میں غم والم میں مبتلا ہوں۔ تو میں اللہ پر شاکر ہوں جو اس نے قسمت میں

دیا۔ میں اسی پر خوش ہوں۔ خواہ مجھے خیر پہنچے یا شر میں اس کا ہی شکر ادا کرتا رہوں گا۔ کیونکہ قضا سے عدول ممکن نہیں۔ خدا سے عدول ممکن نہیں خدائے قسام نے جو مقدر کر دیا۔ اس کا گلہ کرنا کفر ہے صبر کا بڑا اجر ہے۔ صبر ہی سے کشائش ملتی ہے۔ اور صابروں کو جو رو حرج نہیں پہنچتا۔ پرندے مچھلیاں سانپ اور چیونٹیاں اپنی اپنی قسمت کی کھاتی ہیں۔ سب کا روزی رساں وہی ہے۔ اس کے خزانے میں کمی نہیں۔ بھوکا کوئی نہیں مرتا تو اگر زندہ دل ہے تو راضی بہ قضا ہو۔ دوست اللہ ہی ہے۔ باقی سب دشمن ہیں وہ احمق ہے جو دشمن کے پاس دوست کا گلہ کرے تو شکر کرتا کہ تیری حالت اس سے بدتر نہ ہو جائے ورنہ تو ایسی ہو جائے گی جیسا گدھا دلدل میں پھنسا ہو۔ مجھے جب وہ دوغ (دہی) دنیا ہی مفید سمجھتا ہے تو میں انگبین (شہد) کیوں مانگوں جتنی نعمت زیادہ ہو گی۔ اتنا ہی غم بڑھے گا۔ خزانے کی طرف جاؤ گے سانپ کاٹنے کو دوڑے گا پھول کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے تو کانٹا چبھے گا۔ اس دنیا میں خوشی کے ساتھ غم لگا ہوا ہے۔

لومڑی۔ بھائی گدھے۔ حلال رزق کی تلاش فرض ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں بغیر کوشش کے رزق نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وابتغوا من فضل اللہ** یعنی اللہ کے فضل سے (روزی) کی تلاش کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رزق بند دروازوں اور قفلوں کے اندر ہے۔ یہ قفل اور بند در تبھی کھلتے ہیں۔ جب آدمی کوشش اور کسب کرے۔ بغیر طلب کئے روٹی ملنا اللہ کی سنت نہیں اگر تو کنوئیں میں بیٹھا رہے تو تجھے وہاں رزق نہیں پہنچے گا۔

گدھا بولا لومڑی۔ خدا کنویں میں بھی رزق پہنچا دیتا ہے۔ بشرطیکہ پورا توکل ہو۔ جس نے جان دی ہے وہ نان بھی دے گا دام دود (چوپائے اور درندے) سب رزق کھاتے ہیں۔ مگر وہ نہ تو کوئی کسب کرتے ہیں۔ نہ رزق کو اٹھائے پھرتے ہیں۔ سب کو رزاق روزی دیتا ہے۔ اور ہر ایک کی قسمت اسے مل جاتی ہے جو صبر کرتا ہے۔ روزی پا لیتا ہے رنج اور کوشش بے صبری کی وجہ سے ہے۔

بھائی گدھے ! ایسا توکل کون کر سکتا ہے یہ تو نادر بات ہے نادر کے گرد پھرنا نادانی ہے۔ ہر ایک بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قناعت ایک خزانہ ہے۔ تو اپنی قدر پہچان اور اپنی قدر سے بڑھ کر قدم نہ رکھ تاکہ تو منہ کے بل نہ گرے۔ کوشش کر اور روزی کی تلاش کے لئے باہر نکل تجھے توکل کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی۔

گدھا۔ بہن لومڑی تو کیسی الٹی باتیں کر رہی ہے۔ طمع میں بڑی خرابیاں ہیں۔ قانع آدمی کو کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیشہ طماع ہی کی جان جاتی ہے۔ لالچ سے کوئی بادشاہ نہیں بن جاتا۔ رزق تو کتوں اور سوروں کو بھی مل جاتا ہے۔ بتاؤ تو سہی کہ یہ بارش جس پر کل رزق کا دارومدار ہے۔ کس کی کوشش اور کسب کا نتیجہ ہے۔ جس طرح تو رزق پر عاشق ہے۔ اسی طرح رزق بھی تجھ پر عاشق ہے۔ اگر تو اس کی طرف نہ دوڑے پھر بھی تجھے مل جائے گا۔ اگر کوشش کرے تو بھی پہنچ جائے گا۔ مگر درد سر کے ساتھ۔

ایک زاہد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے رزق اس کے پاس عاشق کی طرح خود ہی پہنچ جاتا ہے۔

یہ زاہد آزمانے کے لیے پہاڑ کے پاس ایک بیاباں میں چلا گیا۔ اور وہاں بھوکا لیٹ رہا۔ دیکھا کہ ایسی خطرناک جگہ ایک آدمی پڑا ہے۔ انہوں نے پاس آکر اسے ہلایا اور بلایا۔ مگر وہ جان بوجھ کر چپ رہا۔ نہ ہلا نہ بولا۔ چونکہ وہ سانس لے رہا تھا اس لیے کاروائیوں نے سمجھا کہ ہے تو زندہ مگر اسے بھوک سے سکتہ ہو گیا ہے وہ کھانا لائے تاکہ اس کا منہ کھول کر اس میں ڈال دے۔ اس نے عملاً مضبوطی سے دانت بند کر لیے۔ اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ اسے ضرور سکتہ ہی ہے۔ انہیں اس کی حالت پر اور بھی رحم آیا۔ وہ چھری لائے جسے اس کے دانتوں میں دے کر اس کا منہ کھولا گیا۔ جب منہ کھلا تو انہوں نے فوراً شوربا ڈال کر بذریعہ حلق اس کے پیٹ میں پہنچا دیا۔ زاہد نے دل سے کہا تو چپ ہے راز دان ہو کر ناز کرتا ہے۔ دل نے جواب دیا۔ میں قصداً ایسا

کر رہا ہوں۔ تا کہ تجھے یقین ہو جائے کہ جان و تن کا اللہ ہی رازق ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا امتحان ہو گا۔ تو نے دیکھ نہیں لیا۔ کہ صابروں کی طرف رزق خود اڑ کر جاتا ہے۔ اب تو توکل پر جم جا۔ زاہد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

لومڑی۔ بھائی گدھے۔ یہ قصے چھوڑ دو۔ اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں ہلا کر فقرو فاقہ دور کرو۔ دنیا کا کام ایک دوسرے کی مدد سے چلتا ہے ہر آدمی خود ہی سب کام نہیں کر سکتا۔ کوئی بڑھئی کا کام کرتا ہے۔ کوئی پانی دینے کا کوئی کپڑا بننے کا۔ اگر سب توکل کر کے بیٹھ جائیں تو دنیا کا نظام کس طرح چلے۔

گدھا۔ بواہ لومڑی۔ تو نے بچ بچ لگا رکھی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ توکل سے بڑھ کر کوئی کسب ہے۔ جتنا اس کا شکر ادا کرو گے اتنا رزق زیادہ ملے گا۔ اے خدا! مجھے توکل میں ثابت قدم رکھ۔ کیونکہ توکل سے کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ نہ اس پر کوئی لگان ہے نہ خراج۔

جب وہ اس سوال و جواب سے تھک گئے تو لومڑی نے گفتگو کا پہلو بدلہ اور کہنے لگی کہ تو نے اللہ تعالی کا یہ حکم سنا کہ **لا تلقو باللہ یکم الی الھلکہ** یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خشک صحرا اور سنگلاخ زمین میں سفر کرنا۔ اور خدا کی فراخ زمین کو چھوڑ دینا احمقی ہے۔

یہاں پاس ہی مرغزار (چراگاہ) ہے جس کے درمیان نہر جاری ہے۔ وہاں جا کر چارہ کھا۔ اس جنت جیسی سر سبز چراگاہیں جہاں اونٹ بھی ناپید ہو جاتا ہے۔ جو حیوان جا پہنچے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ گدھے کو اتنی سمجھ نہ آئی جو اس سے پوچھتا کہ جب وہاں ایسی شادابی ہے تو تو وہاں رہ کر کیوں ایسی مردہ بنی ہوئی ہے؟ تجھ میں کیوں فربہی و فرو نشاط کا نام نہیں؟ تیرا جسم کیوں اتنا لاغرو نحیف ہے؟ اگر تیرا بیان غلط نہیں تو پھر آنکھ کیوں سرور سے مخمور نہیں؟ تیری گدا چشمی اور نادیدگی تیری تقریر کا اعلان کر رہی ہے۔ جب تو ایسے ترو تازہ چشمہ پر سے آئی ہے تو تیرے جسم پر کیوں خشکی چھائی ہوئی

ہے۔ اگر تو نافہ آہو ہے تو بوئے مشک کہاں ہے؟ اگر تو گلزار جنت سے آرہی ہے تو تحفہ کے لیے تیری پاس کونسا گلدستہ ہے؟ جو کچھ تو نے کہا اس کی نشانی تیرے پاس ایک بھی نہیں۔

لومڑی کی مثال تو اس اونٹ کی سی ہے۔ جن کے زانوؤں تک گردو غبار چڑھا ہوا تھا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کہاں سے آرہے ہو تو اس نے جواب دیا کہ تمہارے محلّہ کے گرم حمام سے۔ پوچھنے والے نے کہا ٹھیک ہے۔ جبھی تو تمہارے زانو اس قدر صاف ستھرے ہیں۔

گدھے نے دو تین بار تو لومڑی کی دلیلوں کو رد کر دیا۔ مگر چونکہ اس میں اپنی کوئی عقل نہ تھی اس لیے اس کے فریب میں آگیا۔ کھانے کی حرص کے سامنے اس کے دلائل گاؤ خورد ہو گئے۔ جس شخص میں دانش و خرد نہ ہو وہ دلائل سے کیا کام لے سکتا ہے۔

ایک بزدل شخص کی کسی بد معاش نے بے عزتی کی۔ بزدل شخص کی کمر میں خنجر بندھا تھا۔ اس نے پوچھا یہ کس لئے باندھ رکھا ہے۔ کہا اس شخص کا پیٹ پھاڑنے کے لئے جو میری بے عزتی کرے۔ بدمعاش بولا۔ الحمد اللہ کہ میں نے تیرے ساتھ ایسا نہیں کیا۔

الغرض لومڑی چارے کا چکمہ دے کر گدھے کو شیر کے پاس لے آئی۔ شیر گدھے کو آتا دیکھ کر خوشی سے اچھلا اور گرجا۔ گدھا شیر کو دیکھ کر الٹے پاؤں پہاڑ کی طرف بھاگا اور ہانپتا کانپتا اپنے مقام پر جا پہنچا۔ شیر میں زیادہ چلنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے منہ تکتا رہ گیا۔ لومڑی نے شیر سے کہا واہ جناب آپ نے تو بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ گدھے کو پاس تو آنے دیا ہوتا۔ ذرا صبر نہ کیا۔ آپ کو معلوم نہ تھا کہ تعجیل و شتاب شیطانی مکر ہے۔ اور صبرو احتساب رحمانی کام۔

گدھا دور تھا۔ حملے کے آثار دیکھ کر بھاگ گیا۔ افسوس آپ کے ضعف نے آپ کا وقار کھو دیا۔ شیر نے کہا میں نے سمجھا کہ مجھ میں قوت عود کر آئی ہے۔ حقیقت

یہ ہے کہ میں اپنی کمزوری سے بے خبر تھا۔ بھوک اور احتیاج نے غلبہ کر کے مجھ سے میرا صبر و عقل چھین لی تیری بڑی مہربانی ہو گی اگر تو اسے پھر جا کر کسی حیلے سے یہاں لائے۔ اگر یہ گدھا مل جائے تو پھر شکار کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ اور میں تجھے کئی شکار مار دونگا۔

لومڑی نے کہا خدا کی توفیق سے میں اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے یہاں لے آؤں گی۔ آخر گدھا ہی ہے۔ اس کے دل سے خوف جلد زائل ہو جائے گا۔ مگر اتنی مہربانی کرنا کہ جب تک گدھا بالکل قریب نہ آجائے حملہ نہ کرنا۔ تا کہ پہلے کی طرح پھر ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ شیر نے کہا میں ایک دفعہ تجربہ کر چکا ہوں۔ اب جلدی نہ کرونگا۔ اپنی جگہ پڑا رہوں گا۔ تاکہ وہ میرے پاس آجائے۔

لومڑی نے جاتے ہوئے کہا۔ اے بادشاہ دعا کرنا کہ گدھے کی عقل پر غفلت طاری ہو جائے۔ گدھے نے توبہ کی ہے کہ اب وہ کسی کے جھانسے میں نہ آئے گا۔ ہم کسی نہ کسی فن سے اس کی توبہ توڑ دیں گے کیونکہ ہم عقل اور عہد کے دشمن ہیں۔ گدھے کے عہد اور اس کی سمجھ پر غلبہ پا لینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ جب نقص عہد اور شکست توبہ کا مجرم ہو جائے گا۔ تو اس کی بربادی یقینی ہے۔ اصحاب سبت نے جب یوم ممنوع مچھلیوں کا شکار کر کے عہد توڑ دیا۔ تو ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ اور وہ بندر بن گئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے شکلوں پر تو پھٹکار نہیں پڑتی۔ مگر منکروں کے دل بے نور ہو جاتے ہیں۔ گدھا عہد توڑ دے گا۔ تو اس کی عقل مسخ ہو جائیگی اور ہمارے ھتے چڑھ جائے گا۔

القصہ لومڑی ایسے خیال پکاتی ہوئی گدھے کے پاس آئی۔

گدھا۔ واہ بواہ لومڑی تو تو بڑی فریبی نکلی تجھ جیسا دوست ہو تو دشمن کی ضرورت کیا۔ بتا میں نے تجھ سے کیا دشمنی کی تھی کہ تو میری جان کی لاگو بن گئی۔ اور سوائے اس کے کیا کہوں کہ عقرب کی طرح تیرا کام نیش زنی ہے۔ جس طرح شیطان بغیر کسی سابقہ عداوت کے آدم کا عدو بن گیا۔ اسی طرح تو نے مجھ بے گناہ کے ساتھ

کیا۔

لومڑی بولی بھائی گدھے تم آخر گدھے ہی تو ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ در حقیقت وہاں کوئی شیر نہیں صرف جادو کا طلسم ہے۔ جو شیر کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ طلسم اس لئے بنایا گیا تا کہ ہر کس و ناکس چرند اس مرغزار میں نہ گھس آئے اور چراگاہ کو چر نہ جائے ورنہ تم جانتے ہو کہ جنگل ہاتھی اور گینڈے جیسے بڑے بڑے حیوانوں سے پر ہے اگر طلسم نہ ہو تو مرغزار ایک ہی دن میں اجڑ جائے۔ میں تجھے کہنے والی تھی کہ تمہیں جلد لے جا کر کھلاؤں پلاؤں۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ میں تم سے بھی زیادہ کمزور ہوں۔ اگر شیر ہوتا تو مجھے کب وہ زندہ چھوڑتا۔

گدھا اے مکار لومڑی میرے سامنے سے دور ہو جا۔ میں تیری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ خدا نے تیرا منہ پھٹکار دیا ہے تو کس منہ سے میرے پاس آئی ہے اے ظالم اتیرے دانت تو کرگدن (گینڈے) سے بھی زیادہ تیز ہیں تو میرے خون کی پیاسی ہو کر بڑی بے شرمی سے کہتی ہے کہ میں مرغزار کی طرف رہبر ہوں۔ میں خدا خدا کر کے عزرائیل کے پنجے سے رہا ہوا تو پھر مجھے پھانسنا چاہتی ہے۔ مان لیا کہ میں گدھا ہوں۔ مگر جان ہر ایک کو عزیز ہے جو خوف مجھے لاحق ہوا۔ اگر کسی لڑکے کو ہوتا تو بوڑھا ہو جاتا خوف سے میرے پاؤں بندھ گئے اور میں جنبش کرنے کے قابل نہ رہا۔ اس حالت یاس میں میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی کہ اس دفعہ میرے قدم کھول دے میں پھر دشمن کا فریب نہ کھاؤں گا۔ خدا نے میری سن لی اور میں جان بچا کر بھاگا اب شیر نے تجھے میرے پاس بھیج دیا ہے کہ مکرو فریب سے پھر مجھے گرفتار بلا کرے۔ داناؤں نے سچ کہا ہے کہ برے یار سے سانپ بھلا۔ زہریلا سانپ تو جان ہی لیتا ہے۔ مگر برا دوست ساتھ ہی ایمان برباد کرتا ہے۔

لومڑی۔ اے بھائی گدھے۔ میرے دل میں کچھ کھوٹ نہیں تجھے یونہی وہم پڑ گیا ہے۔ اس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔ جہاں وہم کا دخل ہوا دوست دشمن نظر آنے لگے۔ یار اگر بطور امتحان کچھ سختی بھی کرے تو بھی بدگمان نہ ہونا چاہیے۔ یقین

جان لے کہ وہ محض طلسم تھا۔ جو تجھے نظر آیا۔ شیر وغیرہ کچھ نہ تھا۔ وہم تو بڑوں بڑوں کو بھی دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جو چاند سورج کو دیکھ کر ھذا ربی (یہ میرا رب ہے) کہہ دیا۔ وہ بھی وہم کی ہی کرشمہ سازی تھی۔ یہ جو دنیا میں بہتر(72) فرقے بن گئے ہیں۔ یہ بھی وہم کی وجہ سے ہے حضرت عمرؓ کے عہد میں جو ایک شخص کو اپنی ابرو کا بڑا بال دیکھ کر چاند کا گمان ہوا۔ وہ بھی وہم ہی سے تھا۔ لاکھوں کشتیاں ہول اور خوف سے دریائے وہم میں تختہ تختہ ہو گئیں۔ فرعون جیسے ہوشیار اور دانش مند شخص کا چاند برج وہم میں خوفزدہ ہو گیا۔ (گہنا گیا) تو گدھا کس شمار و قطار میں ہے۔

گدھے نے روباہ کی باتوں کا جواب دینے کی بہت کوشش کی لیکن جوع الکلب (بھوک کی بیماری) اس پر غالب آئی۔ حرص صبر پر غالب آگئی۔ آہ۔ رغیف (روٹی کے ٹکرے) کے عشق نے کئی گلے کاٹ دیئے۔ بے صبروں کو فقر و فاقہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

گدھے نے کہا مان لیا کہ لومڑی مکر سے کام لے رہی ہے اور مجھے ہلاک کرا دے گی مگر جس عذاب گرسنگی میں میں اسیر ہوں اس سے تو موت بہتر ہے۔ گدھے نے گدھا پن کی وجہ سے توبہ توڑ دی۔ حرص اندھا اور احمق بنا کر احمقوں کو با آسانی موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ گدھوں کی جان کے لئے مرگ آسان نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی جان میں جاودانی کی آب نہیں ہوتی جس بد بخت کو زندگی جاوید حاصل نہ ہو تو اس کا موت کے لیے مرگ کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ ان کی جان میں جاودانی کی آب نہیں ہوتی جس بد بخت کو زندگی جاوید حاصل نہ ہو اس کا موت کے لئے جرات کرنا احمقانہ فعل ہے تو کوشش کرنا کہ تیری جان مخلد (ہمیشہ رہنے والی) ہو جائے تاکہ تجھے روز مرگ سامان مل جائے۔

گدھے کو اپنے خالق پر اعتماد نہ تھا۔ کہ وہ غیب سے اس کی بھوک مٹانے کا سامان کر دے گا۔ وہ بارہا بھوکا بھی رہا۔ مگر چونکہ اس کا ایمان رازق پر نہ تھا۔ اس

لیے اس کو بھوکا رہنے نے کچھ فائدہ نہ دیا۔

خدا کے فقر دوست بندے جوع (بھوک) سے بڑی لذت حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ان کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک شخص گندم کی چھان یا جو کے آٹے کی روٹی کھاتا تھا۔ دوسرے نے پوچھا تجھے اس سے کس طرح طاقت آتی ہے؟ اس نے جواب دیا جب بھوک صبر سے مل جاتی ہے تو میرے لیے نان حلوا بن جاتا ہے۔ نعمت جوع کمینے گداؤں کو نہیں دیتے۔ روٹی کے بندوں کے لیے رب نے افراط روٹیاں فراہم کر رکھی ہیں اور بندگان نان کی زندگی بھوکا مرجانے سے بدتر ہے۔

ایسے ایسے نکات بیان کرنے کے بعد مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ روباہ گدھے کو شیر کے پاس لے گئی وہ غرا کر اٹھا اور ایک ہی پنجے سے اس کا کام تمام کر دیا کچھ کھا کر پیاس لگی تو وہ چشمہ پر پانی پینے گیا۔ تو اس کے پیچھے لومڑی کو موقع ملا اور وہ جھٹ گدھے کا دل اور جگر چٹ کر گئی شیر نے واپس آکر ان دونوں چیزوں کی تلاش کی مگر کچھ نہ ملا آخر روباہ سے پوچھا کہ ہر جانور کا دل و جگر ہوتا ہے گدھے کا کہاں ہے؟ روباہ نے جواب دیا اس گدھے کا دل تھا نہ جگر۔ اگر یہ دونوں اعضائے رئیسہ اس کے وجود میں ہوتے تو جب ایک دفعہ موت کا منہ دیکھ کر بھاگ چکا تھا تو پھر اس جگہ کیوں آتا۔ دل میں اگر نور نہ ہو تو وہ دل نہیں۔ بدن میں اگر روح نہ ہو تو وہ محض مٹی ہے۔ جس قندیل میں بتی نہ جلتی ہو۔ اسے زجاج نہ کہو۔ بلکہ قاورہ بول کہو۔ مصباح (چراغ) کا نور اللہ کی عطا ہے اور چمنی اور لیمپ بندوں کی مصنوعات ہیں۔ جس نے نور کو دیکھا وہ مومن بن گیا۔ جس نے لیمپ اور چمنی کو دیکھا وہ یہودی مشرک بن گیا۔ مومن کی نظر روح پر ہوتی ہے اس لئے اس کو خلیلؑ اور مصطفیٰؐ ایک نظر آتے ہیں۔ یہودی کی نگاہ ظرف پر۔

گھاس کا پولا اونٹ کے منہ میں

ایک اونٹ بیل اور دنبہ اکٹھے جا رہے تھے کہ انہیں راہ میں گھاس کا ایک پولا پڑا دکھائی دیا۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اسے چٹ کر جائے۔ مگر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے دنبے نے کہا کہ بھائیو اب زمانہ برا آگیا ہے کہ جہاں خطرے کا مقام ہو وہاں بڑوں کو آگے کر دیتے ہیں اور جہاں آرام ملتا ہو۔ وہاں خود آگے ہو جاتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ بزرگوں کو مقدم رکھنا چاہیے پس ہم میں سے جو عمر میں بڑا ہو وہ یہ گھاس نوش جاں کرے۔ یہ شرط پیش کر کے دنبہ بولا بھائیو میں اپنی عمر کے متعلق کیا بتاؤں مجھے صرف اس قدر یاد ہے کہ میں اس دنبے کے ساتھ چرا کرتا۔ جو حضرت اسمٰعیلؑ پر قربان ہوا تھا۔

بیل نے کہا میں تم سے بھی بڑا ہوں۔ ارے میں تو اس بیل کا جوڑی دار ہوں۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کا ہل کھینچا کرتا تھا۔ اونٹ نے جب یہ سنا تو اس نے سر جھکا کر گھاس کا پولا منہ میں لے لیا۔ اور چٹ کر گیا اور بولا اتنے بڑے جسم اور بڑی گردن والے کو تاریخ بتانے کی حاجت نہیں۔ جس سے چاہو پوچھ لو کہ میں تم سے چھوٹا نہیں ہر عقلمند یہی کہے گا۔ کہ میں ہر حیثیت میں تم سے بڑا ہوں۔

پچھلے زمانے کی ایک دیہاتی کی احسان فراموشی اور ریا کاری

اس زمانے میں تو تجربے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر دیہاتی مہمان نواز ہوتے ہیں شہری نہیں ہوتے۔ مگر مولانا رومیؒ نے مثنوی میں جو ایک شہری خواجہ اور دہقان کی حکایت بیان کی ہے وہ آج کل کے تجربے کے بالکل برعکس ہے۔ دوسروں کی مثال کیوں دوں۔ میرا بڑا بیٹا محمد افضل گاؤں (رتہ پیراں) میں رہتا ہے۔ اور میں شہر (لاہور) میں پلا اور بوڑھا ہوا ہوں۔ اس کا اصول اپنا ہے اور میں "خرچ باندازہ دخل

باید کرو" کے مقولہ پر کار بند ہوں اس کی والدہ بھی دیہاتی مہمان نوازوں کی خوگر ہے اور میرے ساتھ 45 سال متواتر رہنے کے باوجود شہری ماحول سے متاثر نہیں ہوتی اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دہقان اسلوب حکایت پیش نظر سے کتنا مختلف ہے۔ بہر حال حکایت بڑی دلچسپ ہے۔

ایک زمیندار کاروبار کے لیے شہر آیا جایا کرتا تھا۔ اس نے ایک شہری خواجہ سے دوستی پیدا کرلی۔ جب وہ شہر میں آتا تو خواجہ ہی کے ہاں فروکش ہوتا۔ اور دو دو تین تین مہینے ڈیرہ ڈالے رکھتا اور خواجہ ہی اس کے خورد و نوش اور اقامت کا متکفل ہوتا۔ وہ جب کبھی آتا خواجہ سے تقاضا کرتا کہ ہمارے گاؤں بھی تشریف لائیے اور دیہاتی زندگی سے لطف اٹھائیے۔

خواجہ صاحب نے اپنی مجبوری کا عذر کرتے ہوئے لیت و لعل میں آٹھ سال گذار دیے۔ نویں سال اس نے پھر تقاضا کیا خواجہ نے پھر بھی ٹال دیا۔ دسویں برس دہقان تین مہینے مہمان رہا۔ اور کہا کہ آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں میں آپ کے احسانات مہمان نوازی کے نیچے دب گیا ہوں۔ گاؤں تشریف لائیں۔ اور مجھے بھی خدمت کا موقع دیں۔

خواجہ کے فرزندوں نے کہا کہ آپ مہمان کی دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ سفر سے کیوں گھبراتے ہیں۔ وہ ہمیں تلقین کر گیا ہے اور حق میزبانی ادا کرنا چاہتا ہے۔ خواجہ نے کہا ٹھیک کہتے ہو مگر حد سے زیادہ دوستی کا نتیجہ دشمنی ہوتا ہے۔ ہمیں گاؤں پہنچنے کے لئے صحرا میں سے گزرنا ہو گا۔ جہاں بڑے خطرات ہیں۔ اس میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا اور اندھوں کی طرح ٹٹول کر چلنا چاہیے۔

خواجہ کے فرزندوں نے برادران یوسفؑ کی طرح کہا کہ ہم جنگل میں سیر کرتے اور کھیلتے کودتے چلیں گے۔ مگر نہ جانا کہ یہ بازی نہیں بلکہ جاں بازی ہے اور یوسفؑ کی طرح جدا اور گرفتار بلا ہونا ہے۔ زر کے لالچ میں جان مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہیے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ میں مسلمانوں کو جو گندم بکنے کی منادی سن کر

مسجد سے چلے گئے تھے کیسی تنبیہہ کی ہے۔ تمہیں اس مرغابی جتنی بھی عقل نہیں جسے باز نے یہ کہہ کر پانی سے نکالنا اور شکار کرنا چاہا تھا کہ نکل کر کھیتوں میں چرو۔ وہ ان دنوں قند ریز بنے ہوئے ہیں۔ مگر عقلمند مرغابی نے جواب دیا تھا۔ ہم تمہاری دعوت کو رد کرتے ہیں وہ قندستان تمہیں مبارک ہمیں پانی کا حصار کافی ہے خواجہ نے اس قسم کے بہت سے حیلے کئے مگر تقدیر کسی تدبیر سے نہیں ٹل سکتی۔

خواجہ کے تمام حیلے بے کار گئے اور سفر اختیار کرنے اور گرفتار مصیبت ہونے پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ اس نے سامان سفر تیار کیا اور چارپائیوں پر لاد کر زن و فرزند سمیت روانہ ہوا پڑا۔ وہ بڑی خوشی سے گھر سے نکلے انہیں امید تھی کہ ہمیں دعوت دینے والا زمین و باغ کا مالک ہے اس سے ہمیں موسم سرما کے لئے غلہ ملے گا بلکہ وہ اپنا باغ ہماری نذر کر دے گا۔ وہ ہمیں اپنی جان سے عزیز رکھے گا۔ مگر خواجہ کو داناؤں کا یہ قول یاد نہ رہا کہ

"گاؤں میں نہ جا وہاں تو احمق ہو جائے گا۔ اور تیری عقل کا نور اور رونق جاتی رہے گی" خواجہ سمجھتا ہے کہ رزق گاؤں سے میسر ہوتا ہے۔ نہیں بلکہ روزی وہ <رزاق> دیتا ہے مولانا قول پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ عقل کا اندھا ہی گاؤں کو وطن بناتا ہے جو کوئی ایک دن گاؤں میں رہ جائے اس کی ایک مہینہ عقل ماری رہتی ہے۔ اور جو مہینہ بھر رہے تو سمجھو ایک مدت کے لیے جہالت کے اندھیرے میں چلا گیا۔

الغرض خواجہ نے اہل بیت سمیت خوشی خوشی جنگل کا رخ کیا۔ انہوں نے سمجھا کہ سفر سے بادشاہی ملتی ہے۔ ہلال سفر ہی سے بدر بنتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کو بھی گھر سے نکل کر بادشاہی ملی اسی امید میں انہوں نے سورج کی گرمی سہی اور رات کو اختر شماری کی راہ سفر کی سختی گاؤں جانے کی خوشی میں انہیں بہشت معلوم ہوئی اہل دنیا کا قاعدہ ہی یہی ہے کہ وہ مقصود حاصل ہونے کی امید میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ خواجہ اور اس کے اہل و عیال کا بھی یہی خیال تھا۔ کہ گاؤں پہنچ کر ہمیں عیش و

آرام مل جائے گا۔ اس لئے وہ ہنستے اور کھیلتے چلے جاتے تھے۔ جب انہیں کوئی جانور گاؤں کی طرف اڑتا دکھائی دیتا تو ان کے صبر کا جامہ چاک ہو جاتا۔ اس طرف سے جو ہوا آتی وہ اسے زندگی کا تازہ پیغام سمجھتے جو کوئی اس موضع سے آتا وہ مجنوں بن کر لیلےٰ کے کتے کی طرح شروع کر دیتے اس کے منہ کو چومنے لگتے مجنوں نے جو سگ بوسی پر اعتراض کرنے والے کو جواب دیا تھا وہ مولاناؒ کے الفاظ میں سننے کے لائق ہے۔

مجنوں نے معترض کو جواب دیا کہ تو جسم بے روح ہے اس کتے کو میری آنکھوں سے دیکھ۔ ارے یہ لیلیٰ کی گلی کا وفادار کتا ہے اس کی ہمت دل و جان اور شناخت کی داد دو کہ اس نے کس جگہ کو منتخب کیا ہے۔ یہ فرخندہ رو کتا میرا یار ہی نہیں بلکہ ہمدرد و غمگسار ہے اجی وہ کتا جو مقیم کوچہ لیلےٰ ہو اس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شہروں سے زیادہ قیمتی ہے۔

مولاناؒ یہ قصہ مجنوں بیان کر کے فرماتے ہیں کہ خواجہ اس گاؤں کی طرف اس طرح جا رہا تھا۔ جس طرح ایک حریص جانور دانہ کو بادام سمجھ کر جال کی طرف آنکھیں بند کر کے لپکتا ہے اور گرفتار دام ہو جاتا ہے۔ جو گاؤں انہیں نظر آتا وہ اسے منزل مقصود سمجھ لیتے۔ مہینہ بھر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں مارے مارے پھرتے رہے کیونکہ انہیں پتہ ٹھیک معلوم نہ تھا۔ جو شخص استاد کے بغیر کوئی پیشہ اختیار کر لیتا ہے وہ شہر اور گاؤں والوں کا مضحکہ بن جاتا ہے جو رہبر کے بغیر ہی مکہ معظمہ کی طرف چل کھڑا ہو۔ وہ بھی آوارہ لوگوں کی طرح خوار و رسوا ہوتا ہے۔

الغرض ان لوگوں نے در بدر پھرنے میں ایسی تکلیف اٹھائی جیسی مرغ خاکی پانی میں پڑ کر اٹھاتا ہے۔ مہینے کے بعد جب اس گاؤں میں پہنچے تو ان کا آب و دانہ اور جانوروں کا چارہ ختم ہو چکا تھا۔ جب اس دہقان کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ روپوش ہو گیا۔ جب ان مسافروں کو گھر کا پتہ چل گیا تو وہ اسے اپنا گھر سمجھ کر اسکی طرف لپکے مگر دروازہ بند پایا۔ اس پر خواجہ حیران ہوا۔ مگر درشتی کا موقع نہ تھا۔ کیونکہ جب کنوئیں میں گر پڑیں تو وہاں تیزی کام نہیں آتی۔ پس وہ پانچ دن دروازہ

کے باہر پڑے رہے۔ دن کو دھوپ ستاتی تھی اور رات کو سردی مگر وہ مجبور تھے اور کہاں جاتے۔ جب بڑوں سے پالا آپڑے تو نیکوں کو اضطراراً گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ شیر بھوکوں مرنے لگتا ہے تو مردار کھانے پر مجبور ہوتا ہے۔

ایک دن وہ دھقاں نظر پڑ گیا خواجہ نے کہا اسلام علیکم جناب میں فلاں شخص ہوں۔ جسے آپ نے سال ہا سال سے دعوت دے کر گاؤں آنے پر مجبور کیا۔

دھقاں نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ میرے دوست ہو نیک ہو۔ یا برے ہو میں تو رات دن اللہ تعالٰی کی قدرت کا گرویدہ ہوں۔ مجھے تمہاری کچھ پروا نہیں۔ مجھے تو اپنے وجود کی بھی خبر نہیں اور یہ بھی پتہ نہیں کہ میری ہستی کیا ہے۔ خدا کے سوا مجھے کسی بات کا ہوش نہیں۔ میرے دل و جان میں اللہ ہی اللہ ہے۔ خواجہ نے یہ سنکر اسے جتایا کہ میں وہ ہوں جس کے دسترخوان پر تم سالہا سال نعمتیں کھاتے رہے ہو اور میرے مال سے سامان خرید کر لاتے رہے ہو۔ شہر کی خلقت اس بات کی گواہ ہے۔ جس کے ہاں سے جو شخص پیٹ بھرے اس کی آنکھ شرماتی ہے۔ اور سر نیچا ہو جاتا ہے۔ دھقاں نے جواب دیا تو کیا بک رہا ہے نہ میں تیرا نام جانوں نہ تجھے اور تیری جگہ پہچانوں۔

اس طرح باہر پڑے ہوئے خواجہ پر پانچویں رات برق و باراں لے کر آپڑی۔ مجبوراً اس نے کنڈی کھٹ کھٹائی اور بڑی آہ و زاری سے دھقاں کو بلایا۔ اس نے آکر پوچھا۔ کیا بات ہے؟ عرض کیا میں نے تمام حقوق اور احسان ترک کیے۔ اب تو ہمیں مسکین مسافر سمجھ کر رحم کرو۔ پانچ دن میں جو ہمیں تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔ وہ پانچ سالہ مشقت کے برابر ہے ہم ایسی سختی کے عادی نہ تھے۔ ہمیں خدا کے لئے اس رنج سے بچاؤ اور کوئی ٹھکانہ بتاؤ۔ دھقاں نے کہا تمہیں باغ میں ایک کٹیا سی دی جا سکتی ہے۔ مگر اس شرط پر کہ تیر و کمان لو اور آپ پہرہ دو تاکہ بھیڑیا آکر نقصان نہ کرے۔

خواجہ نے اس شرط کو قبول کر لیا اور باغ میں جا ٹکے وہ جگہ بڑی تنگ اور مچھروں اور پسوؤں کا گھر تھی۔ خواجہ کو اس خوف سے کہ کہیں بھیڑیا گھس کر نقصان نہ

کر جائے اور دہقاں جان کھائے ان چھوٹی چھوٹی بلاؤں کو دور کرنے کا بھی یارانہ تھا۔
آدھی رات گزرنے پر خواجہ نے محسوس کیا کہ بھیڑیا آگھسا۔ چنانچہ تیر کمان میں جوڑ کر
اس نے جو چھوڑا۔ وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور حیوان زخمی ہو کر گر پڑا۔ اس افتادے
حیوان کی آواز خارج ہوئی۔ جس کو سن کر دہقاں نے ہائے کی اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا
اے نوجوان مردا تو نے میرا گدھا مار ڈالا۔ خواجہ نے کہا۔ نہیں میں نے ظالم گرگ
مارا ہے نہ کہ تیرا گدھا۔ دہقاں نے کہا مجھے اپنے گدھے کی آواز کی ایسی ہی شناخت
ہے جیسی شراب اور پانی کی۔ خواجہ نے جواب دیا کہ اندھیری رات میں جبکہ مینہ برس
رہا ہو اور سیاہ بادل چھائے ہوں کیا پہچان ہو سکتی ہے۔ دہقاں نے کہا خواہ کیسی ہی زور
کی آواز چل رہی ہو۔ میں اپنے گدھے کی آواز پہچان لیتا ہوں۔ یہ سن کر خواجہ نے
اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ اور کہا۔ اے بے حیا تو نے اتنی تاریکی میں اپنے گدھے کی
آواز تو بھانپ لی اور دس سال کے رفیق کو نہ پہچان سکا۔ میری مروت اور احسان کو
خاک میں ملا دیا۔ اور بہانہ یہ کیا میں فنافی اللہ ہوں مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔ اگر کار
زار کا امتحان نہ پیش ہوتا تو ہر نامرد رستم بن جاتا۔ تو نے دعویٰ تو یہ کیا کہ میں منصور
حلاج ہوں مگر اپنے دوستوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر تو اپنی محویت اتنی کرنا کہ
فاروق اعظمؓ اور ابو لہب میں تمیز کرنے کا ہوش نہیں مگر آدھی رات کی تاریکی میں
آواز خر کی شناخت کر لینا۔ تو نے اپنے آپ کو عاشق الٰہی ظاہر کیا مگر شیطان سے یارانہ
گانٹھا۔ ارے داؤدؑ کے ہاتھ میں تو لوہا موم ہو جاتا ہے۔ تو موم کو لوہا کر دیتا ہے۔ یہ کج
روی چھوڑ دے اور دونوں جہاں میں رسوا نہ ہو۔

اس لمبی حکایت سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دنیا میں لوگ بڑے دھوکے باز اور
جعلساز ہیں۔ دانا انسان کو کسی پر اعتبار کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

خدا کی قدرت

ایک درخت پر ایک کبوتر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے اس کی موت کھڑی اسے گھور رہی تھی۔ زمین پر ایک شکاری تیر کمان میں جوڑے چلہ چڑھائے کھڑا تھا۔ اور آسمان پر ایک باز پر پھیلائے کبوتر کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ اور کبوتر پر جھپٹنے ہی والا تھا۔ اور شکاری اس پر تیر چلانے کو تھا۔ کبوتر بیچارا جائے تو کدھر جائے۔ زندہ بچنے کی کوئی امید باقی نہ تھی۔

کبوتر خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ مالک خالق اب تو ہی بچائے تو بچنے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے وگرنہ موت اب یقینی ہے اسی اثنا میں خدا کی قدرت سے ایک سانپ گھاس سے رینگتا ہوا نکلا اور اس نے شکاری کے پاؤں پر کاٹ لیا۔ شکاری تکلیف سے چیخا۔ سانپ بڑا زہریلا تھا۔ شکاری کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ تیر اچانک کمان سے نکلا۔ اور خدا کی قدرت سے باز کبوتر پر منڈلاتے باز کو جالگا۔ شکاری اور باز دونوں مرگئے اور یوں خدا کی قدرت سے کبوتر کی جان بچ گئی۔

احسان کا بدلہ

ایک شیر جنگل میں پڑا سو رہا تھا۔ ایک چوہے نے اسے مٹی کا ڈھیر سمجھا اور اس کے اوپر چڑھ کر پھدکنے لگا۔ شیر غرایا اور پنجہ مار کر چوہے کو دبوچ لیا۔ پنجہ شیر کا تو گویا لوہے کا شکنجہ تھا۔ چوہے کا دم گھٹنے لگا۔ گڑگڑا کر التجا کرنے لگا۔ کہ اے جنگل کے بادشاہ! بیشک مجھ سے خطا ہو گئی۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ اگر آپ میرا قصور بخش دیں گے تو میں اس احسان کا بدلہ ضرور دوں گا۔

شیر نے چوہے کی باتیں سنیں اور ہنس دیا۔ اور چوہے کو چھوڑ دیا۔ چوہا شیر کو

دعائیں دیتا ہوا چلا گیا اور کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک شکاری جنگل میں آنکلا۔ اس دن بھی شیر گہری نیند سو رہا تھا شکاری نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور سوتے شیر کو جال میں جکڑ لیا۔ شیر بڑا اچھلا کودا اور گرجا لیکن جال بڑا مضبوط تھا۔ اس سے چھٹکارا پانا مشکل تھا۔

اتفاقاً چوہے نے شیر کی گرج سن لی اور بھانپ گیا کہ یقیناً شیر کسی مصیبت میں جتلا ہے ورنہ وہ پہلے تو اس طرح نہیں گرجا کرتا تھا چوہے نے سوچا احسان کا بدلہ اتارنے کا اچھا موقع ہے۔ بھاگا آیا۔ دیکھا تو شیر جال میں پھنسا تھا۔ چوہے نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جال کی رسیوں کو کترنا شروع کر دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جال کی سب رسیاں کتر ڈالیں۔ اور شیر سے کہنے لگا کہ جنگل کے بادشاہ اب گھبراؤ نہیں۔ جال سارا کٹ چکا ہے۔ اب آپ آزاد ہیں۔ آپ نے مجھ پر ایک احسان کیا تھا۔ میں بڑا خوش ہوں کہ آج میں نے اس احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔ اور پھر بھی اگر کبھی آپ پر ایسی کوئی بھیڑ آن پڑی تو مجھے اپنا ایک ادنیٰ خادم سمجھیں۔ خدا حافظ

بد خصلت

ایک روز ایک سارس کے حلق میں ہڈی پھنس گئی۔ اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ جنگل میں وہ بے چینی کے ساتھ بھاگتا پھرتا تھا۔ جان بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اتفاق سے اس کی نظر ایک بھیڑیے پر پڑی۔ بے تحاشا اس کی طرف بھاگا۔ کہنے لگا۔

"بھیا سارس! میرے حلق میں ہڈی پھنس گئی ہے تمہاری چونچ بڑی لمبی ہے۔ میرے حلق میں پھنسی ہڈی نکال دو۔ میں اس کے صلے میں تمہیں بڑی اجرت دوں گا"

سارس کو بھیڑیے کی حالت پر بڑا رحم آیا۔ اس نے اپنی چونچ فوراً اس کے گلے میں ڈال دی۔ چونچ سے ہڈی کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو چونچ کے ساتھ ہی ہڈی باہر

آگئی۔

سارس نے بھیڑیے سے مزدوری مانگی تو اس نے خونخوار دانت باہر نکال کر غراتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ کم مزدوری ہے۔ تیری پوری چونچ میرے جبڑوں کے شکنجے میں آگئی تھی۔ میں نے اسے چبایا نہیں۔ چبا دیتا تو مجھ سے مزدوری نہ مانگتا۔

موت اور لکڑہارا

ایک بوڑھے شخص کا دنیا میں کوئی سہارا نہ تھا۔ بڑھاپے میں وہ اس طرح گزارا کرتا کہ جنگل میں لکڑیاں کاٹنے چلا جاتا سارا دن لکڑیاں کاٹنے اور چننے میں گزر جاتا۔ شام ہونے سے پہلے لکڑیاں بیچنے کا چارہ کرتا اور انہیں بیچ کر روٹی کھاتا۔ ایک دن اس کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ اتنی کمزوری محسوس کر رہا تھا کہ اس سے چلا نہ جاتا تھا۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ لکڑیاں جنگل سے نہ لاتا تو روٹی کہاں سے کھاتا۔

لکڑہارا گرتا پڑتا جنگل میں پہنچا۔ بڑی مشکل سے لکڑیاں کاٹیں۔ اس کے بعد ذرا سانس لیا۔ پھر گٹھا جو اٹھایا تو سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔ بڑی مشکل سے گٹھا اٹھایا۔ کمزوری تو پہلے ہی سے تھی۔ گٹھا اٹھا کر ابھی سینے تک لایا تھا کہ بازو جواب دے گئے۔ گٹھا زمین پر آرہا۔ تھوڑی دیر پھر سانس لیا۔ گٹھا اٹھایا جو پھر گر کر زمین پر آرہا۔ لکڑہارا سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اور درد کی شدت سے ہانپتے ہوئے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر کہنے لگا۔

"خدایا! بڑھاپے میں کس طرح میں یہ مشقت کروں۔ مجھ سے تو اپنا آپ نہیں اٹھایا جاتا اتنا بھاری گٹھا کیسے اٹھاؤں؟

میری قسمت کا ستارہ کب تک گردش میں رہے گا۔ اس جینے سے تو موت بہتر ہے۔ اے موت! مجھے اس دنیا سے اٹھا لے"۔

یہ سنتے ہی اچانک موت ایک طرف سے نمودار ہوئی۔ بولی
"مجھے کس واسطے جنگل میں پکارا ہے؟
موت کو دیکھتے ہی بوڑھے پر دہشت طاری ہو گئی۔ تھر تھر کانپنے لگا اور رک رک کر کہا۔
"میں نے تمہیں اس واسطے جنگل میں پکارا ہے کہ اس جنگل میں دور اور نزدیک کوئی نظر نہیں آرہا۔ یہ گٹھا اٹھا کر میرے سر پر ٹکا دو"۔

محنت میں راحت ہے

ایک کسان کی یہ تمنا تھی کہ جس طرح وہ محنت سے کام کرتا ہے اس کے بیٹے بھی کریں۔ جبکہ اس کے بیٹے کچھ کاہل تھے۔ محنت سے جی چراتے تھے۔
اچانک کسان بیمار ہوا۔ علاج کیا مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ کسان مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا۔
"دیکھو! میں تمہیں اک خزانے کی خبر دیتا ہوں۔ اور وہ خزانہ میرے کھیت میں گڑا ہے۔ جب میرے کفن دفن سے فارغ ہو جاؤ تو اسے ڈھونڈ لینا"۔
اور کسان کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ باپ کے کفن دفن سے فارغ ہو کر کھیت کو چلے اور اس میں ہل چلایا۔ کافی گہری زمین کھود ڈالی مگر ان کو خزانہ نہ ملا۔ کسان کے بیٹے پسینے پسینے ہو گئے۔ مایوسی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے آخر کار ہل چلائی زمین میں انہوں نے بیج بو دیا۔ پودے نکلے تو خوب پھلے پھولے۔ جب وہ فصل کاٹ کر لائے تو ان کا گھر غلہ سے بھر گیا۔ یہاں تک کہ بہت سا غلہ انہوں نے فروخت کر دیا پھر بھی ختم ہونے میں نہ آیا تو خوش ہو کر بولے۔
"اصلی خزانہ تو یہ ہے۔ اگر ہم یونہی محنت کریں تو یہ خزانہ ہمیں ہمیشہ ملتا رہے گا"

نادانی

ایک لومڑی ایک گہرے گڑھے میں گر گئی جس میں بارش کا پانی اکٹھا ہو رہا تھا۔ لومڑی نے اچھل کود کر گڑھے سے باہر نکلنے کی بڑی کوشش کی لیکن گڑھے سے باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ زندگی سے مایوس ہو گئی۔

اتفاق سے ایک بکری بھی چلتے پھرتے اس گڑھے پر آگئی اور لومڑی کو دیکھ کر اس نے کہا کہ پیاس سے میرا برا حال ہو رہا ہے۔

لومڑی نے جواب دیا۔ کوئی غم نہ کرو بی بکری۔ نیچے آجاؤ اور شوق سے جتنا جی چاہے پانی پیو۔

بکری اچھل کر گڑھے میں اتر گئی۔ یہ نہ سوچا کہ کیسے باہر جاؤں گی۔ جب وہ پانی پی کر پیاس بجھا چکی تو بولی کہ اب میں باہر کیسے جاؤں؟

لومڑی بولی۔ اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں ایک ترکیب بتاتی ہوں۔ اپنے اگلے پیر دیوار پر رکھو۔ میں تم پر بیٹھ کر باہر نکل جاؤں گی۔ اور پھر تمہاری ٹانگ پکڑ کر تمہیں اوپر کھینچ لوں گی۔

بکری نے لومڑی کے کہنے پر عمل کیا۔ لومڑی اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر گڑھے سے باہر نکل گئی۔ اور چلتی بنی۔ اس نے وعدہ خلافی کی۔ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلی اور بکری کی جان کا اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ بکری اسی طرح گڑھے میں گری رہی اور کچھ دنوں کے بعد مر گئی۔

لالچ کی سزا

ایک کتا نہر کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا۔ اس کے منہ میں ہڈی تھی۔

اچانک اس کو پانی میں اپنا عکس نظر آیا۔ کتے نے یہ سمجھا کہ کوئی دوسرا کتا منہ میں ہڈی دبائے پانی میں آگیا ہے اور اس کی ہڈی خاصی بڑی ہے۔

کتا چلتے چلتے رک گیا۔ غرانے لگا۔ اپنا منہ وہ عکس کی جانب جھپٹا ہڈی اس کے منہ سے چھوٹ کر پانی میں گر گئی۔ اور وہ اپنا منہ کھول کر رہ گیا۔ اس کتے کو لالچ کی سزا مل گئی۔

بات چھپائے نہ چھپے

ریوڑ سے ایک بکری چرتے چرتے دور نکل گئی۔ چرواہے نے دیکھا تو ایک بکری کم تھی۔ سمجھا کوئی بھیڑیا نہ اٹھا کر لے گیا ہو پھر بھی اسے تلاش کر لینا چاہیے۔ اور وہ بکری کو تلاش کرنے لگا۔ اسی ادھیڑ بن میں کافی دور نکل گیا تو دیکھا کہ وہی بکری وہاں بڑے مزے سے ہری ہری گھاس کھا رہی ہے۔

چرواہے کو بکری پر بڑا غصہ آیا۔ لاٹھی تانے دبے پاؤں وہاں پہنچا اور غصے میں بکری کو لاٹھی دے ماری۔ جس سے بکری کا ایک سینگ ٹوٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ اب چرواہے کا ماتھا ٹھنکا کہ بکری تو بری طرح زخمی ہو گئی ہے۔ اب میں مالک کو کیا جواب دوں گا۔ لگا بکری کی منت سماجت کرنے کہ دیکھو مالک سے کچھ مت کہنا۔

بکری بولی۔ یہ بات ہی ایسی ہے کہ چھپائے نہ چھپے گی۔ تم نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے چلو میں نے تمہیں معاف کیا۔ مگر اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں اگر اپنی زبان بند رکھوں گی تو ٹوٹا ہوا سینگ سارا حال بیان کر دے گا۔

جتنے منہ اتنی باتیں

کسی شخص کے پاس ایک گدھا تھا۔ ایک دن وہ اسے بیچنے چلا گدھے کو لے کر

گھر سے روانہ ہوا تو اس کا بیٹا بھی ساتھ ہو لیا۔ وہ دونوں گدھے کو لئے چلے جا رہے تھے کہ اک کنویں پر عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ باپ بیٹے کو گدھے کے ساتھ پیدل چلتے دیکھا تو ہنسنے لگیں آپس میں یہ باتیں کرنے لگیں کہ یہ دونوں کتنے احمق ہیں کہ سواری پاس ہے اور پیدل چلے جا رہے ہیں۔

یہ بات باپ نے سن لی اور اپنے بیٹے سے کہا کہ تو بیٹھ جا گدھے پر میں پیدل چلتا ہوں۔ اور بیٹا گدھے پر سوار ہو گیا۔ ابھی وہ تھوڑی دور گئے تھے کہ ان کو کچھ دانشور ملے۔ جب ان پر نظر پڑی تو ایک نے کہا کہ دیکھو جی! کیسا زمانہ آگیا ہے۔ جوان بیٹا سواری پر بیٹھا ہے اور بوڑھا باپ پیدل چل رہا ہے۔ یہ بات بیٹے نے سنی تو گدھے سے نیچے اتر آیا اور اصرار کر کے باپ کو اس پر سوار کر دیا۔ اور چلتے گئے۔

ابھی وہ تھوڑی دور گئے تھے کہ انہیں جوان لڑکوں کی ایک ٹولی ملی ان میں سے ایک کہنے لگا۔ دیکھو! یہ بوڑھا کتنا سنگدل ہے۔ خود تو سواری پر بیٹھا ہے اور بیٹے کو پیدل چلا رہا ہے۔

یہ سنا تو باپ نے بیٹے کو گدھے پر سوار کر لیا۔ اور ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ راہ چلتے ان کو کچھ آدمی ملے۔ ایک شخص نے بوڑھے سے کہا۔

"میاں! کیا یہ گدھا تمہارا ہی ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں آرہا وہ مر رہا ہے اور تم کو پروا نہیں ہے دو آدمی ایسے دبلے پتلے گدھے پر سوار ہوں ہم نے آج ہی دیکھا ہے"۔

یہ سنا تو باپ بیٹا دونوں پیدل چلنے لگے۔ باپ نے کہا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہر ایک کو دنیا میں کوئی خوش نہیں رکھ سکتا۔

قاصر

ایک شکاری تیر کمان لئے جنگل میں وارد ہوا تو کہرام مچ گیا۔ سب جانور ڈر

سے ادھر ادھر بھاگے۔ شیر بھی وہاں کہیں موجود تھا۔ یہ دیکھ کر غصے سے لال ہو گیا۔ دھاڑتا ہوا شکاری کے ساتھ لڑنے کو میدان میں آیا۔

شیر کو آتے دیکھا تو شکاری نے چلے سے تیر کو ملایا۔ للکار کر کہنے لگا۔

"پھٹے ہوئے ڈھول کی طرح کیا شور مچا رہے ہو۔ دیکھو میرا قاصد تمہاری طرف آتا ہے۔ تمہاری پسلیوں کی خبر لے گا۔ میری قوت بازو کا تم سے حال کہے گا"

یہ کہہ کر شکاری نے تیر چلایا جو شیر کے پہلو میں لگا۔ شیر بد حواس ہو کر بھاگ نکلا۔ راستے میں اسے ایک لومڑی ملی۔ کہنے لگی۔

"لعنت ہے تم پر۔ شیر ہو کر ایک انسان سے ڈر کر دم دبائے بھاگے جا رہے ہو۔ تم نے شیروں کی آبرو مٹی میں ملا دی ہے رک جاؤ۔ ڈٹ کر مقابلہ کرو"

شیر نے کہا۔ "جاری جا۔ اپنی راہ لے۔ میں ہرگز تیری بات نہ مانوں گا۔ جان جوکھوں میں نہ ڈالوں گا۔ اس شخص سے لڑنے کی کوئی کیا ہمت کرے گا۔ جس کے قاصد نے میری پسلیاں کڑکا دی ہیں۔ وہ شخص تو آفت ہے مصیبت ہے بلا ہے"

پیام اجل

ایک مچھر نے ایک بیل سے کہا۔

"یہ دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی ہے۔ تجھے کیا ضرورت ہے کہ اتنا بڑا جسم رکھتے ہوئے دن رات انسان کی غلامی کرتے ہو۔ مجھے دیکھو میں کتنا ناتواں ہوں مگر انسان کا لہو پیتا ہوں"

یہ سن کر بیل نے مچھر سے کہا۔

"کیا تو مجھے احسان فرموش سمجھتا ہے۔ سدا اس کی غلامی کیوں نہ کروں۔ وہ میرے لئے چارہ مہیا کرتا ہے میری پیٹھ تھپک تھپک کر مجھے بار بار پیار کرتا ہے" مچھر نے کہا۔

او بیوقوف! تجھے اس کا تھپکنا لبھاتا ہے۔ اگر وہ مجھے اس طرح تھپک کر پیار کرے تو میری موت ہو جائے اس کا تھپکنا میرے لئے پیام اجل ہے"۔

قدر ہیرے کی جوہری جانے

ایک جگہ کوڑے کا ڈھیر پڑا تھا۔ ایک مرغ اس کو کریدنے لگا۔ اسی کوشش اور جستجو میں اس کو ہیرا پڑا نظر آگیا۔ بولا کہ بیشک تو بیش قیمت ہے مگر مجھے اس سے کیا۔ تو اگر کسی جوہری کو مل گیا ہوتا تو تیری قدر کرتا۔ تجھے اپنی دستار میں سجاتا۔ بہتر تھا کہ تیرے عوض مجھے کسی اناج کا کوئی دانہ مل گیا ہوتا۔

جفا کار

نہر کے کنارے بھیڑ کا ایک بچہ کھڑا تھا۔ ایک بھیڑیے نے اسے دور سے دیکھا۔ اس پر حملہ کرنے کو دوڑا۔ اور بھیڑ کے بچے سے ذرا ہٹ کر پانی پینے لگا۔ اور کچھ دیر غراتے ہوئے بھیڑ کے بچے سے کہا۔

"اندھے تجھے دکھائی نہیں دیتا۔ بتا اب میں کیسے پانی پیوں تو نے ساری نہر کا پانی گدلا کر دیا ہے"

بھیڑ کے بچے نے کہا۔

"کیا مطلب تم اونچی جگہ کھڑے ہو جبکہ میں تم سے نیچے کھڑا ہوں۔ پانی تو تمہاری طرف سے میری طرف آرہا ہے"

بھیڑیا تھوڑی دیر چپ کر گیا۔ اور پھر غراتے ہوئے بولا۔

"اچھا تو یہ بتا تو نے مجھے گالیاں کیوں دیں۔ اس واقعہ کو ایک سال کا عرصہ ہو گیا ہے۔

بھیڑ کے بچے نے کہا۔
"میں تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ میری عمر چھ ماہ ہے"
خونخوار درندے نے لاجواب ہو کر بھیڑ کے بچے پر حملہ کر دیا۔ کہا
"اپنی توہین کا میں ضرور بدلہ لوں گا۔ اس وقت تو نہ تھا تو تیرا باپ ہو گا"
یہ کہتے ہی خونخوار درندے نے بھیڑ کے بچے کو چیر پھاڑ ڈالا اور اس کا گوشت کھانے لگا۔

بیوفائی کا صلہ

لومڑی اور گدھے میں دوستی ہو گئی اور دونوں میں یہ شرط طے پائی کہ جب دونوں میں سے کوئی مصیبت میں پڑ جائے تو دوسرا اس کے کام آئے۔

لومڑی اور گدھا ایک دن دونوں جنگل میں سیر کر رہے تھے کہ ناگہاں سامنے سے شیر آگیا۔ لومڑی سمجھی اب بچنا محال ہے فوراً ہی اس کے دل میں ایک خیال آیا۔ گدھے کو ایک گڑھا دکھلاتے ہوئے بولی کہ بڑا خطرہ ہے۔ اپنی جان بچاؤ اور جلدی سے اس گڑھے میں ہو جاؤ۔

گدھے نے اس کی بات مان لی۔ کود کر گڑھے میں ہو گیا۔ لومڑی دوڑ کر شیر کے پاس آئی۔ بولی

"اگر میں جان کی اماں پاؤں تو ایک گدھے کا پتہ بتلاؤں" شیر سر ہلا کر مسکرایا۔ لومڑی شیر کو اس گڑھے کے پاس لے آئی جس میں گدھا تھا۔

شیر نے گڑھے میں گدھا دیکھا تو اس نے سوچا یہ اب کہاں جائے گا۔ کیوں نہ پہلے لومڑی کو کھالوں۔ میں اگر گدھے کی طرف گیا تو یہ بھاگ جائے گی۔ مجھے اس کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ بس پھر کیا تھا۔ آگئی لومڑی کی شامت ایک ہی بھرپور پنجہ ایسا مارا کہ لومڑی کو سر سے پاؤں تک ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اور یوں لومڑی کو اپنی بیوفائی

کا صلہ مل گیا۔

مکاری کا پھل

ایک چوہا جنگل میں تالاب کے قریب رہتا تھا۔ اور تالاب میں بہت زیادہ مینڈک تھے۔ ایک مینڈک نے چوہے سے دوستی کرلی۔ چوہے نے اس کو نیک دل پایا تو ے اس کی محبت کا یقین ہو گیا۔

ایک دن مینڈک چوہے کے پاس جا رہا تھا کہ اسے راستے میں پڑی ایک رسی ل گئی۔ اس کا ایک سرا اپنے پاؤں میں باندھا دوسرے سرے سے اپنی ٹانگیں باندھ یں۔ پھر چوہے کو تالاب کی طرف لے چلا۔ اور جیسے ہی پانی کے قریب پہنچا تو چوہے نے کہا کہ بھائی مجھے تیرنا نہیں آتا۔ مینڈک نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ چپکے سے اس ی باتیں سنتا رہا۔

پھر وہیں سے اس نے ایک چھلانگ لگائی اور چوہے کے ساتھ تالاب میں گر گیا۔ اور تہ نشین ہو گیا۔ چوہا پانی میں سانس کیسے لے سکتا تھا۔ چند ہی منٹوں میں اس کا سانس رک گیا۔ اور چوہا مرگیا اور مرنے کے بعد اس کی لاش پانی کی سطح پر تیرنے گی۔

ایک شکرا اس وقت تالاب کے اوپر اڑ رہا تھا۔ اس نے چوہے کی لاش کو تیرتے دیکھا تو جھپٹا اور چوہے کی لاش اٹھا کر شاخ پر آبیٹھا تو اس کے ساتھ مینڈک بھی وہیں آگیا۔ شکرا اسے بھی کھا گیا۔

موٹی عقل

کوا چونچ میں روٹی لئے بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس پیڑ کے پاس سے لومڑی

گزری۔ اسے بڑی بھوک لگی تھی۔ جنگل میں بڑی دیر سے وہ بھوکی پھر رہی تھی۔ اسی کوشش میں تھی کہ کہیں سے کچھ مل جائے تو کھائے۔ اسے کوئے کی چونچ میں روٹی نظر آئی تو دل میں کہنے لگی کہ کاش یہ روٹی مجھے کھانے کو مل جائے۔ اچانک اسے ایک تدبیر سوجھی۔ کوے کی طرف دیکھ کر بولی۔

"کوئے میاں! واللہ کیا حسن ہے کیا رنگ ہے تمہارا بلبل کے پروں میں بھی ایسی سیاہی نہیں۔ گردن ہے تمہاری صراحی کی طرح اور پر ہیں چمکدار۔ یہ شان پرندوں میں اور کسی کی نہیں ہے۔ اگر تمہاری آواز بھی سریلی ہوتی تو دنیا میں تمہارا کوئی مقابل ہی نہ تھا۔ لاجواب ہو تم"

کوے نے لومڑی کی بات سنی تو دل میں کہا کہ شاید یہ واقف نہیں ہے ورنہ میری آواز کچھ کم سریلی نہیں ہے۔ اور دلکش نغمہ سنانے کے لئے چونچ کھول دی۔ اور کائیں کائیں کرنے لگا۔

بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ چونچ کے کھلتے ہی روٹی نیچے گر گئی لومڑی اسے کھانے کے لئے دوڑی۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ روٹی چبانے لگی مسکرانے لگی۔ کوا ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہا تھا کہ یہ میری آواز کی نہیں روٹی کی دیوانی تھی۔ لومڑی نے کہا۔ آواز تو میاں کوے تمہاری بڑی اچھی ہے مگر عقل موٹی ہے۔

کسان کی بیٹیاں

گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کی دو جوان بیٹیاں تھیں۔ ایک کی اس نے مالی سے شادی کر دی اور ایک بیٹی کمہار سے بیاہ دی۔ جب ان کی شادی ہو زمانہ ہوا تو کسان ایک دن گھر سے روانہ ہوا۔

پہلے وہ مالی کے باغ میں پہنچا۔ اپنی بیٹی کا حال دریافت کیا۔ بیٹی نے جواب د کہ اللہ کی بڑی رحمت ہے۔ یوں تو میرے دل کو کوئی غم نہیں مگر خدا سے ہر دم یہ د

ہے کہ اگر ایک بارش ہو جائے تو میرا باغ ہرا بھرا ہو جائے۔ اگر دو چار روز اور پانی نہ برسا تو سارا باغ سوکھ جائے گا۔ کسان اپنی بیٹی کو دعا دے کر وہاں سے روانہ ہوا اور کمہار کے گھر گیا۔ بیٹی کو خوشحال دیکھا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ بیٹی نے کہا کہ بابا تو اللہ کے کرم سے سب کچھ ٹھیک ہے لیکن اک فکر کھائے جاتی ہے۔ ہر روز بادل چھا جاتے ہیں جبکہ بنائے ہوئے سارے برتن سوکھنے کو دھرے ہیں۔ ہر وقت یہی دعا مانگتی ہوں کہ خدا کرے بارش نہ ہو۔

اس کے باپ نے کہا کہ بیٹی بہن تیری بارش کی آرزو مند ہے کہ خدا کرے بارش ہو تاکہ اس کے باغ میں درخت نہ سوکھنے پائیں اور تجھ کو اپنے برتنوں کا خیال ہے کہ بارش نہ ہو اور وہ سوکھ جائیں۔ میں تو حد سے زیادہ پریشان ہوں کہ خدا سے کیا دعا مانگوں؟

حماقت کی سزا

ایک گدھا جنگل میں گھاس چر رہا تھا۔ اس نے اپنی طرف ایک بھیڑیے کو آتے دیکھا۔ اس کی سٹی گم ہو گئی کہ اب خیر نہیں۔ مفت میں مارے گئے۔ اب کیا کیا جائے۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے اعضا نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن اس کی عقل اس وقت کام کر رہی تھی۔ اچانک اس کو ایک تدبیر سوجھی۔ وہ لنگڑانے لگا۔ بھیڑیے نے گدھے کے قریب آ کر کہا۔

"ارے لمبی تھوتھنی والے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھتا ہے۔ میری صورت دور سے دیکھتے ہی گدھا دم دبا کر بھاگ جاتا ہے لیکن تو وہیں ڈٹا مزے سے ہری ہری گھاس کھا رہا ہے۔ مجھے خاطر ہی میں نہیں لایا۔ تیری موت تیرے سامنے کھڑی ہے اور تو ہے کہ گھاس چر رہا ہے۔ لے سنبھل جا میں آیا"

گدھا ہنہنایا خطرے کا بگل بجایا۔ بولا۔

"وہ تو میں جانتا ہوں گدھے بڑے بد دماغ ہوتے ہیں۔ کسی کی نہیں سنتے بس اپنی ہانکے جاتے ہیں۔ بد کلامی کرنے سے پہلے تم نے میری بھی تو سنی ہوتی۔ چیر پھاڑ کر کھانا بعد میں پہلے میری ایک بات تو سن لے"

بھیڑیا غراتے ہوئے بولا۔

"کہو کیا کہنا چاہتا ہو۔ یہ اپنا ناچ بند کر۔ میں یہاں تیرا ناچ دیکھنے نہیں تجھے کھانے آیا ہوں"

بھیڑیئے نے کہا۔

"میں ناچ نہیں رہا لنگڑا رہا ہوں۔ تمہاری آنکھوں کو شاید بھلبھوری ہو گئی ہے کہ میرا لنگڑانا تمہیں ناچ نظر آتا ہے۔ اور وہ بات تم سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ایک دن جنگ میں چلا جا رہا تھا کہ میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا جو ابھی تک نہیں نکلا۔ تم مجھے کھاؤ گے تو یہ کانٹا تمہارے حلق میں چبھ جائے گا۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ کانٹا نکال کر میرے گوشت سے ضیافت اڑاؤ"

گدھے کی بات کچھ اس کی سمجھ میں آگئی۔ بولا

"یہ کانٹا کیسے نکلے گا؟"

گدھے نے کہا۔

"دکھاؤ مجھے کہاں چبھا ہے کانٹا"

گدھے نے جواب دیا۔

"میرے پچھلے پاؤں میں" گدھے نے بھیڑیئے کو اپنا پچھلا پیر دکھایا۔

"ادھر میری پچھلی ٹانگوں کی طرف آکر دیکھو"

بھیڑیا منہ کھول کر پیر کی طرف بڑھا۔ اور اس نے کانٹے کی طرف توجہ دی۔ گدھے نے اسے بے خبر پایا تو چپکے سے ایک ایسی دولتی اس کے جبڑوں پر جڑی کہ جبڑوں سمیت سارے دانت نکل کر باہر جا پڑے۔ اور بھیڑیا روئی کے گالے کی طرح ہوا میں اڑ کر نیچے گرا۔ اس کا منہ لہولہان ہو رہا تھا گدھا مسکراتا ہوا چل دیا۔

بھیڑیا بھی وہاں سے چیخ کر بھاگا۔ اور اپنے دل میں یہ کہتا جا رہا تھا کہ یہ کام میری فطرت کے خلاف تھا۔ مجھے میری حماقت کی سزا مل گئی۔ میں درندہ ہوں پھاڑ کھانا میرا کام ہے۔ مجھ کو جراحی سے کیا واسطہ ؟

مؤرخِ اسلام مولانا صادق حسین صدیقی

ہم آپ اس اَمر سے بخوبی شناسا ہیں کہ تاریخ جہاں سچائی کی ترجمان ہوتی ہے وہاں روایت کی آئینہ داری کے فرائض بھی انجام دیتی ہے اور نہ صرف یہ بلکہ ہر آنے والی نسل کو مستقبل کی تابناکی کیلئے کوشاں رہنے کی تحریک سے بھی مالا مال کرتی ہے۔ اِن دلائل کے پیشِ نظر اگر تاریخ کے اِس عمل کو صدقۂ جاریہ کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا اور مؤرخ یقینی طور پر ایک احسن عمل سے سرفراز ہوتا دکھائی دیگا — مؤرخِ اسلام مولانا صادق حسین صدیقی اپنی مختلف کتب کے سبب اسلامی برادری کیلئے سرمایۂ افتخار تھے اور ہیں کہ انہوں نے پوری صداقت سے اپنے فرائض کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور لوگوں کو ماضی کی درخشندہ روایات سے روشناس کرایا۔ علاوہ ازیں جہانگیر بکڈپو، اردو بازار، لاہور مبارکباد کا مستحق ہے کہ مولانا صادق حسین صدیقی کی کتابیں اس ادارہ کے تحت چھپیں!

آفتابِ عالم ؐ	سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم
معرکۂ کربلا	دِل دوز حقائق سے لبریز سچائیوں کی آئینہ دار
محمدؐ بن قاسم	سپہ سالارِ اسلام اور تاریخ ساز شخصیت
طارق بن زیاد	طارق بن زیاد کے کارناموں سے متعلق دستاویز
خالد بن ولید	تاریخ کا رُخ موڑ دینے والے سچے سپاہی!
سلطان صلاح الدین ایوبی	اسلام کا ایک جاں نثار سپہ سالار
صلیبی جہاد اول، صلیبی جہاد دوم	اپنی نوعیت کے اعتبار سے نادر کتابیں!
عرب کا چاند، مشرق کی حُور	ہر حوالے سے دل موہ لینے والے صحیفے!
جہانگیر بکڈپو، اردو بازار، لاہور	ہمیشہ آپکے لئے اعلیٰ اور معیاری کتابیں چھاپنے والا مستند ادارہ